تاثرات

یعنی

رباعیات ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ

مع حالات، مقدمہ، ترجمہ و شرح اردو

کاوشِ فکر

(ابوالخیال) محمد اسلم رازی فاضل ادبیات فارسی

مطبوعہ ۱۹۳۸ء

ملک نذیر احمد کتب پبلشر موہن لال روڈ بیرون موری گیٹ لاہور

ستمبر سنہ ۱۹۳۸ء

تصوف

خدا کے ساتھ متحد ہونا یا اسی زندگی میں واصل بحق ہونا عموماً ہر ایک انسان کی خواہش ہوا کرتی ہے دراصل یہ وہ شریف خواہش ہے جو ہر جگہ ہر زمانہ میں قدیم الایام سے مختلف شکلوں اور لباسوں میں ظاہر ہوئی ہے یہ ایک ربانی جذبہ انسان میں ہے جس کو مذہب پیدا کرتا اور اس کی آبیاری کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ انسان خدا کی شکل پہ پیدا کیا گیا۔ انسان میں ربانی صفات کے جوہر ہیں۔ اور اس کا بڑا مقصدِ زندگی انہی جوہروں کو ابھارنا اور نشوونما دینا ہے لیکن بہت سی باتیں اس مقصد کے حاصل کرنے میں روک ہو جاتی ہیں۔ ہم میں ہر طرح کے جذبات ہیں قسما قسم کے تقاضے ہمیں لاحق ہیں۔ جسمانی، ذہنی، حسی، جذباتی مختلف قوتیں ہم میں ہیں جو ہم میں مختلف قسم کے خیالات پیدا کر دیتی ہیں، یہ جذبات اور تقاضے ایک دوسرے کے متضاد بھی ہیں لیکن انہی متضاد قوتوں کو ہم آہنگی بڑے بڑے نتائج پیدا کر دیتی ہے۔ یہ ایک صداقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس پہ شاہد ہے کیا مختلف الخواص اشیاء ترکیب پا کر بہترین نتائج مرتب نہیں کرتیں جس کا تجربہ علم کیمیائی میں ہم ہر روز دیکھتے ہیں۔ اگر کائنات میں یہ ہو رہا ہے تو پھر ارتقا انسانیت میں یہ کیوں نا ممکن ہے۔ ہاں یہ سوال بڑا مشکل سا ہے اور اس کا حل خدا کی نصرت کے سوا نا ممکن ہے بسا اوقات ہم کسی خاص قوت کی آبیاری کرتے ہیں اور دوسری قوتوں کا خیال تک نہیں کرتے جو آخر زائل ہو جاتی ہیں۔ اگر دنیا عیش و عشرت کے متوالوں سے خالی نہیں تو دنیا راہبوں اور تارکوں سے بھی معمور ہے اگر اچھا کھانا اور پینا اور تعیشات زندگی روحانی قوتوں کو مار ڈالتے ہیں تو پھر راہبانہ زندگی اور ترک دنیا بھی اگرچہ روحانی قوتوں کے لئے ایک حد تک مفید ہے قوائے عقلیہ کو مضمحل اور ذہنی طاقتوں کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ راہبانہ ریاضتیں بعض مخفی طاقتوں کو جلا دیتی ہیں ایسی ریاضت والے بعض اعجازی باتیں بھی کر گذرتے ہیں لیکن یہ لوگ اصلی مقصدِ زندگی اور اصل مقصدِ روح کو گنوا بیٹھتے ہیں یہ لوگ اپنے ہم عصروں پہ ایک قسم کا بوجھ ہو جاتے ہیں۔ ہم مدنی بالطبع واقع ہوئے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے مختلف قوتیں بخشی ہیں اور ہم ایک دوسرے کے ممنون و مددگار ہیں اور ایک دوسرے کی خدمت میں ہمیں ان قوتوں کا استعمال کرنا ہے۔ لیکن

ایک راہب، ایک تارک الدنیا گویا سوسائٹی کی طرف سے مر چکا ہے اور اس کے دل و دماغ میں یہ اشرف قوا صرف
جگہ نہیں پاتے۔ اس سے بھی زیادہ یہ امر قبیح ہے کہ بعض وقت ایسے تارک الدنیا نہایت ہی ناقابل عفو حرکات
کر گزرتے ہیں چونکہ ریاضات شاقہ کے لئے یہ دنیا سے الگ ہو جاتے ہیں اور تنہائی میں اپنا وقت گزارتے ہیں اسلئے
ان کے بعض اخلاق جو سوسائٹی ہی میں بار ہے سے زینت پاتے ہیں ناتراشیدہ حالت میں رہتے ہیں۔

ترک دنیا اپنے خاص حدود میں قوائے روحانی کے ترقی دینے کے لئے از حد مفید ہے کوئی روحانی قوت
جسمانی فطرت کو لگام دینے کے سوا ترقی نہیں پا سکتی۔ لیکن تم اپنی جسمانی خواہشوں کو ذبح نہیں کر سکتے جو لوگ
ان جسمانی خواہشوں کو اعتدال سے زیادہ دبانا چاہتے ہیں وہ ایک وقت تو کامیاب ہوتے ہیں لیکن تحریکات کے
ماتحت جب یہ جسمانی جذبات یک لخت مشتعل ہو جاتے ہیں تو پھر یہ تارک الدنیا نہایت بیچارگی سے ان کا شکار ہو کر
بیہودہ افعال کر گزرتے ہیں جو ننگ شرافت و ایمان ہوتے ہیں علاوہ ازیں ترک دنیا سے بعض قوا کو مارنا گویا
خالق قوا کے فعل پر ایک بیہودہ نکتہ چینی کرنا ہے۔

دراصل یہ جس قدر جذبات بہیمہ انسان میں رکھے ہوئے ہیں یہ سب کے سب خادم روحانیات ہیں۔ لیکن
یہ لابدی بھی ہیں۔ جو مذہب یا سوسائٹی یا تعلیم ہماری فطرت کے ایک حصہ کی تربیت کرتی ہے اور ہمارے دیگر قوا
کو نظر انداز کر دیتی ہے وہ مکمل نہیں کہلا سکتی۔

خدا ہی ہمارا آخری مرجع ہے لیکن دوسری طرف اسی خدا نے ہماری فطرت میں یہ متضاد اور مختلف قوتیں رکھ
دی ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ کس طرح انسان ان متضاد قوتوں میں سے نشو و نما پا کر کمال حقیقی کو پہنچتا ہے۔
اسلامی تعلیم کی رو سے نجات کے معنی کمال انسانی ہیں۔ اخلاق انسانی کا تا بحد کمال پہنچانا ہی ہماری غرض و
غایت ہے۔

اس زندگی میں خدا سے متحد ہونا کیا ہے؟ صرف ان ربانی جوہروں کو نشو و نما دینا جو انسان کے اندر
مختلف جذبات اخلاق چھپے ہوئے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ کس طرح انسان ان متضاد جذبات پر قابو پا کر ان کی تعدیل
و تہذیب کرے کس طرح ان کو تربیت دے کر ایک ہم آہنگی کے ذریعہ ان کا تصفیہ کرے اور اس طرح ان کے وہ
جوہر چمک اٹھیں جو خدا تعالیٰ نے انسان میں رکھے ہیں یعنی انسان کی تمام روحانی قوتیں نشو و نما پا کر ربانی اخلاق
بن جائیں اور وہ متصف باخلاق اللہ ہو جائے۔ یہ ہے حقیقت صوفیت اسلام میں اور یہی غرض و غایت اس
تعلیم کی ہے جس کا نام بعض نے باطنی تعلیم اسلام رکھا ہے۔

یہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ وہ نورِ الٰہی جس کے کامل طور پر چمک اٹھنے پر انسان خدا کی ایک کامل تصویر
بن جاتا ہے وہ مختلف خواہشات و جذبات کے حجاب میں چھپا ہوا ہے اور جب تک ان خواہشات و جذبات پر ایک
قسم کی موت وارد نہ ہو جائے تب تک وہ اعلیٰ روحانی حالت حاصل نہیں ہو سکتی وہ دن روحانیات کی فتحمندی
اور الٰہی جلال کی باریابی کا ہوگا جس دن ہمارے ان بہیمہ خواہشات پر موت وارد ہو جائیگی۔ ہم اسی دن تک اندھے
ہیں جس دن تک دنیوی نظاروں کی طرف سے ہم اندھے نہیں ہو جاتے۔ ہم اسی دن تک بے جان ہیں جب تک
کہ ہم خدا کے ہاتھ میں ایک بے جان کی طرح نہیں ہو جاتے۔ یہ حالت ہم میں پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہماری تمام
جسمانی قوتیں اور ہماری تمام طاقتیں اللہ تعالیٰ کی رضا میں نہیں لگ جاتیں۔ اور ہماری زندگی اور موت کا مقصد
خدا تعالیٰ کی رضا نہیں ہو جاتی جب ایک سالک اس طرح اپنی رضا کو خدا کی رضا تلے کر دیتا ہے تو پھر خدا کی رضا اس
کی رضا ہو جاتی ہے، اس کی اگر کوئی خوشی ہے تو وہ خدا کی اطاعت ہے "میری مرضی نہیں تیری مرضی" اس کا
طریق عمل ہوتا ہے یہی لفظی معنوں میں اسلام ہے۔ اسلام وہ جلتی ہوئی آگ ہے جو تمام سفلی خواہشوں کو بھسم کر کے
اور تمام جھوٹے معبودوں کو آگ لگا کر ہماری زندگی، ہماری جائداد اور ہماری عزت کو خدا کے آگے بطور قربانی
رکھ دیتی ہے۔ اس چشمہ حقیقی پر پہنچ کر پھر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں ایک آگ بجلی کی طرح ہم میں سے
نکلتی ہے اور ایک آگ اوپر سے آتی ہے یہ دونوں شعلے آپس میں مل کر ہماری تمام ادنیٰ خواہشوں اور بہیمہ جذبات
کو اور تمام غیر اللہ کی محبتوں کو فنا کر کے ایک موت ہماری پہلی زندگی پر وارد کر دیتی ہے ہم ایک نئی زندگی پا لیتے
ہیں اسی منزل کا نام مسلم صوفیوں نے خدا کا ملنا کہا ہے اس مقام پر انسان خدا کا چہرہ دیکھتا ہے۔ اس کا اور
خدا کا اس قدر شدید تعلق ہو جاتا ہے کہ گویا وہ خدا کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے ایک طاقت اسے اوپر کی طرف
سے آتی ہے اور اس کے اندرونی قوا روشن ہو جاتے ہیں اور ایک خالص بہشتی زندگی مقناطیس کے اثر کی طرح
کام کرنے لگ جاتی ہے اس مقام پر پہنچ کر خدا اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے
جس سے وہ کام کرتا ہے اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اس کے پاؤں ہو جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے
گویا انسان خدا کی کامل تصویر بن جاتا ہے۔

(یہ مضمون خواجہ کمال الدین کے خطبات غربیہ سے ماخوذ ہے) ۱۲

سلطان العارفین

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمہ اللہ

آپ کا اسم گرامی شیخ فضل اللہ اور کنیت ابوسعید تھی۔ والد بزرگوار ابوالخیر کی کنیت سے مشہور تھے
شیخ ابوسعیدؒ ۳ رجمادی الثانی ۳۵۷ھ کو منہ میں جو علاقہ خاور کا ایک قصبہ تھا، پیدا ہوئے۔

ان کا شمار اولیائے کرام میں ہوتا ہے۔ ابتدائی حال میں چودہ برس مجذوب رہے، سلوک میں آئے تب
بھی جذب کا اثر باقی تھا۔ کتب تصوف میں آپ کے متعلق بہت سی دلچسپ روایات مسطور ہیں جن سے آپ کے
کمالات روحانی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

آپ شیخ ابوالفضلؒ کے مرید تھے۔ روایت ہے کہ ایک شہر سرخس کے دروازہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ
لقمان مجنوں خاکستر کے ایک ڈھیر پر بیٹھے اپنی پوستین کو پیوند لگا رہے تھے آپ دیر تک وہاں کھڑے رہے، ان کا
سایہ لقمان پر پڑ رہا تھا۔ پیوند لگانے سے فرصت ملی تو لقمان رحؒ نے فرمایا کہ اے ابوسعید میں نے تمکو اس پیوند کے ساتھ
ٹانک دیا ہے اس کے بعد ان کا ہاتھ پکڑ کر شاہ ابوالفضل کی خانقاہ میں لے گئے اور کہا کہ ابوسعید کو سنبھالئے جب
تک آپ کی زندگی ہے یہ آپ کی خدمت میں رہے گا۔ اسی دن سے شیخ ابوسعید ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے

ایک دفعہ اپنے مرشد طریقت سے اجازت حاصل کر کے فقیہ خواجہ بوعلی رحؒ کے درس میں شامل ہوئے۔
آیہ کریمہ قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون (یعنی کہدے اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحیح تعلیم
اتارنے والا اور ہدایت دینے والا اللہ ہے اور پھر ان کو چھوڑ دے کہ اپنی مصروفیتوں اور کھیل کود میں لگ جائیں) کا
درس تھا۔ آپ پر اس آیہ کے سنتے ہی وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ خواجہ دیکھ کر تاڑ گئے اور پوچھا رات کہاں تھے۔
آپ نے عرض کیا پیر ابوالفضل کی خدمت میں۔ خواجہ نے فرمایا۔ اب وہیں جاؤ اور ان کے درس کو چھوڑ کر یہاں آنا
تمہارے لئے حرام ہے۔ حیران و پریشان ہو کر پیر کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا؎

مستک شدہ ہمی ندانی پس و پیش   ہاں گم نکنی تو ابہا سر رشتۂ خویش

شیخ ابوالفضل رہ کے وصال کے بعد آپ شیخ ابوالعباس آملی کی خدمت میں گئے۔ ایک رات فصد کی وجہ سے پیر طریقت کے کپڑے خون میں شرابور ہو رہے تھے۔ شیخ ابوسعید نے اپنے کپڑے پیش کیے اور رات ہی کو وہ کپڑے دھو کر اور سکھا کر حاضر کیے۔ شیخ ابوالعباس نے فرمایا کہ یہ تم پہن لو۔ اس کے ایک سال بعد مرشد طریقت نے ان کو وطن مالوف مہنہ کی طرف رخصت کیا جہاں وہ مدت العمر لوگوں کے ارشاد و تربیت میں معروف رہے۔

شیخ بوعلی سینا آپ کے معاصر تھے ان سے اور شیخ سے اکثر مراسلت رہتی تھی۔ شیخ بوعلی مشکل مسائل ان سے دریافت کرتے تھے۔ اور وہ جواب دیتے تھے۔ یہ مراسلات آج بھی موجود ہیں۔ ایک دفعہ دونوں میں ملاقات کا اتفاق ہوا۔ انقضائے ملاقات کے بعد آپ نے فرمایا اس کے معلومات ہمارے مشاہدات ہیں اور بوعلی نے کہا۔ ان کے مشاہدات ہمارے معلومات ہیں۔

آخر چہارم شعبان ۴۴۰ھ کو آپ نے ۸۲ برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فارسی شاعری میں سب سے پہلے صوفیانہ خیالات حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر نے ادا کئے۔ اس زمانہ تک تصوّف کے حقائق و مسائل شاعری سے آشنا نہیں ہوئے تھے صرف عشق اور محبت کے جذبات تھے لیکن چونکہ ان کا مخرج عشق حقیقی تھا اس لئے تصوف کا رنگ جھلکتا ہے مثلاً ؎

دل جز رہ عشق تو نپوید ہرگز — جز محنت و درد تو نجوید ہرگز
صحرائے دلم عشق تو شورستاں کرد — تا مہر کسے دگر نہ روید ہرگز

ولہ
در کوئے خودم منزل و ماوٰی دادی — در بزم وصال خود مرا جا دادی
القصہ بصد کرشمہ و ناز مرا — عاشق کردی و سر بصحرا دادی

ولہ
اے کردہ غمت غارت ہوش دل ما — درد تو شدہ خانہ فروش دل ما
رندی کہ مقدساں ازو محروم اند — عشق تو مراد گفت بگوش دل ما

ولہ
اے دل ہمہ خوں شوی شکیبائی چیست — وی جاں بدر آ اینہمہ رعنائی چیست

اے دیدہ چہ مردمیست شرمت بادا   نادیدہ بجال دوست بینائی چیست

ولہ یار آمد و گفت خستہ میدار دلت   دایم بامید بستہ می دار دلت

مارا بہ شکستگاں نظرہا باشد   مارا خواہی شکستہ می دار دلت

وحدت وجود یعنی ہمہ اوست - یہ مسئلہ صوفیانہ شاعری کی روح و رواں ہے۔ صوفیانہ شاعری میں جو ذوق و شوق، سوز و گداز، جوش و خروش، از در و اثر ہے سب اسی بادۂ مرد افگن کا فیض ہے اس خیال کی ابتدا عشق حقیقی کے استیلا سے ہوئی۔ یعنی ارباب عرفان پر جب نشۂ محبت کا غلبہ ہوتا تھا تو ان کو معشوق حقیقی (صانع کل) کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا اس کو وحدت شہود (ہمہ از وست) کہتے ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ خیال وحدت وجود کی حد تک پہنچا۔ یعنی درحقیقت خدا کے سوا اور کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں۔ یا یوں کہو کہ جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی ہے۔ جو کچھ ہے ایک ہی ذات ہے۔ اور موجودات خارجیہ سب اسی کے شیونات ہیں۔

شیخ ابوسعیدؒ نے بھی عشق حقیقی کے غلبہ و استیلا کی وجہ سے اس مسئلہ بہت کچھ کہا ہے بلکہ ان رباعیات کا زیادہ حصہ اسی مسئلہ پر مشتمل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

بر شکل بتاں رہزن عشاق حق است   لا بلکہ عیاں در ہمہ آفاق حق است

چیزیکہ بود ز روئے تقیید جہاں   واللہ ہماں ز وجہ اطلاق حق است

ولہ چوں حق بتفاصیل شئوں گشت عیاں   مشہود شد ایں عالم بر سود و زیاں

گر باز روند عالم و عالمیاں   بار تبۂ اجمال حق آیند نہاں

ولہ بحریست وجود جاوداں موج زناں   زاں بحر ندیدہ غیر موج اہل جہاں

از باطن بحر موج بیں گشتہ عیاں   بر ظاہر بحر و بحر در موج نہاں

ولہ بنگر بجہاں سرّ الہٰی پنہاں   چوں آب حیات در سیاہی پنہاں

پیدا آمد ز بحر ماہی انبوہ   شد بحر در انبوہی ماہی پنہاں

اختلاف مذاہب - کسی نے خوب کہا ہے ؎

در حیرتم کہ دشمنی کفر و دیں چراست   از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است

شیخ رح فرماتے ہیں ؎

اے مقصد خورشید پرستاں رویت | محراب جہانیاں خم ابرو بت
سرمایۂ عیش تنگ دستاں دہنت | سررشتہ دلہائے پریشاں مو بت
دلہ زنار پرست زلف عنبر بو بت | محراب نشین گوشۂ ابرو بت
یارب تو چہ کعبۂ کہ باشد شب و روز | روئے دل کافر و مسلماں سو بت

حاصل یہ کہ اختلاف مذاہب کی بنا پر باہم برسرپیکار ہونا نادانی اور تنگ نظری ہے کیونکہ مختلف رستے ہیں لیکن سب کی منزل ایک ہے، ہر شخص اپنے طریقے کے مطابق اسی معبود حقیقی کا پرستار ہے۔ ہاں قابل توجہ یہ امر ہے کہ ؎

گر سبحہ صد دانہ شماری خوب است | ور جام مے از کف نہ گزاری خوب است
گفتی چہ کنم چہ تحفہ آرم بر دوست | بے درد میا ہر آنچہ آری خوب است

الحاصل شیخ ابوسعید ابوالخیر کا تمام کلام نہایت ہموار ہے عشق حقیقی اور وحدت وجود کے خیالات کو نہایت سادہ اور پرسوز طریقے سے ادا کیا گیا ہے تصوف کے دقیق مسائل اور اصطلاحات سے ان کا کلام کلیتہً پاک ہے۔ جن چند رباعیات میں اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے وہ مولانا جامی کی ہیں ورنہ شیخ رح کے زمانہ فارسی شاعری ان سے آشنا نہ تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

باز آ۔ باز آ۔ ہر آنچہ ہستی باز آ　　گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست　　صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

کافر۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا انکار کرنیوالا گبر۔ آتش پرست۔

نومیدی۔ ناامیدی، مایوسی۔

ذات باری اپنے گنہگار بندے کو مخاطب کر کے گویا ہے کہ باز آ۔ اگرچہ تو کافر ہے یا گبر یا بت پرست جو کچھ بھی ہے باز آ۔ یہ ہماری بارگاہ مایوسی و نومیدی کی بارگاہ نہیں ہے۔ اگر تو نے سو بار توبہ کر کے توڑ دی ہے تو بھی ایک بار پھر ہماری بارگاہ کی طرف رجوع کر کیونکہ ہماری "بہانہ جو" رحمت کی وسعتیں تجھے اپنے آغوش میں چھپا لینے کے لئے بیتاب ہیں۔

حکماء کا قول ہے کہ انسان دو اجزاء سے مرکب ہے ایک جزو نورانی اور دوسرا جزو ظلمانی۔ پس گناہ و لغزش کا مادہ اس کی فطرت ہی میں مرکوز ہے۔ آدمی بار بار گناہ کرتا ہے لیکن جب بھی وہ اپنی سئیات اعمال سے آگاہ اور نادم ہو کر صدق قلب کے ساتھ رجوع الی الحق کرتا ہے تو رب العزت عز اسمہٗ اسے اپنی بارگاہ مغفرت سے نومید واپس لوٹنے نہیں دیتا۔ خوش گفت آنکہ گفت ؎

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے　　قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

چنانچہ قرآن مجید میں اسی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔۔

لاتقنطوا من رحمة اللّٰہ ان اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعا، انہٗ ھو الغفور الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو تحقیق اللہ سب گناہوں کو بخشنے والا اور غفور رحیم ہے۔

(۲) نسیما جانبِ بستاں گذر کن بگو آں نازنیں شمشادِ ما را
بہ تشریفِ قدوم خود زمانے مشرّف کن خراب آبادِ ما را

نازنیں شمشاد - بلند قامت محبوب - تشریف - شرف و عزت بخشنا -

زمانے - تھوڑی دیر کے لئے - خراب آباد - ویران خانہ -

اے نسیم! تو باغ کی طرف جا اور ہمارے اس شمشاد قد محبوب سے کہہ کہ کبھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہمارے ویران خانہ کو بھی شرف اندوز کرے (شعراء اکثر ہوا سے قاصد کا کام لیا کرتے ہیں) -

(۳) خداوندا بگردانی بلا را ازیں آفت نگہداری تو ما را
بحقِّ آں دو گیسوئے محمّد زبوں گرداں زبردستانِ ما را

بلا - مصائب دنیوی یا خطرات جو سالک کو راہ طریقت میں پیش آتے ہیں -

زبردستاں - مراد اعدائے دنیاوی یا قوائے شہوانی و خواہشات نفسانی جو انسان کے سب سے زبردست دشمن ہیں - چنانچہ بزرگوں نے جہاد نفس کو جہاد اکبر کہا ہے - زبوں - ذلیل و خوار -

اے بار الہٰ! تو محمد مصطفیٰ (صلعم) کے دونوں گیسوؤں کی طفیل بلا کو ٹال دے ہم کو اس آفت سے محفوظ رکھ اور ہمارے زبردستوں کو نیچا دکھا (یعنی ان کی معاندانہ کوششوں سے ہمارے پائے استقامت میں تزلزل پیدا نہو) یہ رباعی دعائیہ ہے - رسول کریم (صلعم) محبوب الٰہی ہیں اور محبوبؐ کی زلفوں کو افزائش حسن میں نہایت ممتاز مرتبہ حاصل ہے اس لئے انہی کا واسطہ دیا ہے کہ دعا جلد مستجاب ہو -

(۴) وا فریادا از عشق وا فریادا کارم بیکے طرفہ نگار افتادا
گر دادِ من شکستہ دادا دادا ورنہ من و عشق ہر چہ بادا بادا

کار افتادن - پالا پڑنا - طرفہ - عجیب -

نگار - معشوق - شکستہ - بدحال -

عشق کے ہاتھوں سخت فریاد ہے کیونکہ میرا پالا ایک عجیب (سنگ دل) محبوب کے ساتھ پڑا ہے اگر اس نے میری شکستگی کی داد دی تو بہتر ورنہ میں ہونگا اور عشق جو ہو سو ہو - (وا فریادا کی تکرار تاکید کا فائدہ دیتی ہے) -

(۵) یارب بمحمّد و علیؓ و زہرا یارب بحسینؓ و حسنؓ و آلِ عبا
از لطف برآر حاجتم در دو سرا بے منّتِ خلق یا علیّ الاعلےٰ

آل عبا سے مراد پنجتن پاک - کیونکہ ایک روز رسالتمآب (صلعم) نے ان کو اپنی عبا میں لے کر فرمایا کہ ھٰولاء

اھلبیتی (یہ میرے اہل بیت ہیں) -

اے پروردگار! اے رب الاعلیٰ! حضرت محمد صلعم، علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ، زہرا رضی اللہ عنہا اور حسین وحسن

رضی اللہ عنہما (یعنی) آل عبا کے صدقہ دونوں جہان میں اپنے لطف وکرم سے میری مراد برلا - اس طرح کہ مجھے کسی مخلوق

کا زیر بار احسان ہونا نہ پڑے -

(۶)

اے دلبر ما مباش بے دلبر ما   یک دلبر ما بہ از صد دلبر ما

نہ دلبر ما نہ دلبر اندر بر ما   یا دلبر ما فرست یا دلبر ما

(مصرعِ اوّل) - ۱ - دلبر - پہلو میں رہنے والا دل -   ۲ - محبوب -

(" دوم) - ۱ - محبوب -   ۲ - پہلو میں رہنے والا دل -

(" سوم) - ۱ - پہلو میں رہنے والا دل -   ۲ - محبوب -

(" چہارم) - ۱ - محبوب -   ۲ - پہلو میں رہنے والا دل -

اے ہمارے پہلو میں رہنے والے دل! تو محبوب کے بغیر مت رہ کیونکہ ہمارا ایک محبوب ایسے سینکڑوں دلوں سے جو پہلو میں رہتے ہیں بہتر ہے - (لیکن اب) نہ تو ہمارا دل ہی پہلو میں ہے اور نہ محبوب ہی ہماری بغل میں (لہذا اے خداوند قدوس) یا تو ہمارے محبوب کو بھیج دے یا کم از کم ہمارے دل ہی کو ہمارے پہلو میں بھیج دے (تاکہ عشق و فراق کی چیرہ دستیوں سے نجات حاصل ہو) -

(۷)

منصورِ حلاج آں نہنگِ دریا   کز پنبۂ تن دانۂ جاں کرد جدا

روزیکہ انا الحق بزباں مے آورد   منصور کجا بود خدا بود خدا

منصورؒ - حسین بن منصور رحمہ اللہ، ان کی کنیت ابو المعیث ہے - شہر بیضا کے باشندے، عمر بن عثمانؓ مکی کے شاگرد اور حضرت جنید بغدادی رحہ کے صحبت یافتہ تھے - جب مقام فنا فی اللہ میں پہنچے تو اکثر از خود رفتہ ہو کر انا الحق پکار اٹھتے تھے - اس لئے اہل ظاہر نے فتوائے شریعت کے مطابق انہیں سولی پر لٹکا دیا ۔

حد ادب سے بڑھ کے جو کھول دے نکتہ راز کا   دار پہ حشر دیکھئے ایسے زباں دراز کا

حلاج - دُھنیا، منصورؒ کا پیشہ حلاجی نہ تھا ان کا ایک دوست دھنیا تھا - جب آپ اُسے کسی کام کے لئے کہیں بھیجتے تو خود انگلی کے اشارہ سے اس کا کام انجام دیتے - اس لئے حلاج مشہور ہو گئے -

ہنگ - مگرمچھ، پنبہ - روئی، دانہ - مراد پنبہ دانہ، بنولہ، انا الحق - میں خدا ہوں -
منصور حلاج، وہ دریائے وحدت کا نہنگ جس نے جسم کی روئی سے جان کے بنولہ کو جدا کر دیا جس کو
وہ انا الحق کا دعویٰ کرتا تھا منصور کہاں تھا وہ تو خدا ہی تھا -

(۸) من دوش دعا کردم و باد آمینا تا بہ شود آں دو چشم بادامینا
از دیدۂ بدخواہ ترا چشم رسید در دیدۂ بدخواہ تو بادامینا

(مصرعہ اوّل) - باد - آمینا - ہوا آمین کہہ رہی تھی -
(" دوم) - بادامینا - الف اشباع کا ہے یعنی بادامیں، بادام نما - آنکھ کو بادام سے تشبیہ دیتے ہیں -
(" چہارم) - بادا - مینا - مینا بمعنی شیشہ، یعنی شیشہ پڑ جائے - پھوٹ جائیں -
چشم رسیدن - نظر بد لگنا، صدمہ پہنچنا -
میں کل رات دعا کر رہا تھا اور ہوا آمین کہہ رہی تھی تاکہ محبوب کی دونوں بادام نما آنکھیں اچھی ہو جائیں (اے
محبوب) تجھے دشمن کی نظر سے صدمہ پہنچا ہے خدا کرے تیرے بدخواہ کی آنکھیں پھوٹ جائیں -

(۹) اے کردہ غمت غارت ہوش دل ما دردِ تو شدہ خانہ فروش دل ما
رندی کہ مقدّساں ازو محروم اند عشق تو مرا و گفت بگوش دل ما

رندی - مجذوبیت عشق کو رندی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے کیونکہ سالک مجذوب سے عالم وارفتگی میں اکثر
ایسی حرکات سرزد ہوتی ہیں جن کو اہل ظاہر خلاف شریعت خیال کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ان حقائق کے ادراک
سے قاصر ہوتے ہیں ؎

راز درون پردہ ز رندان مست پرس کیں حال نیست صوفی عالی مقام را

مقدساں - مراد اہل شریعت وغیرہ -
اے محبوب! تیرے غم عشق نے میرے دل کے ہوش و حواس کو غارت کر دیا اور تیرے درد محبت نے میرے
دل کے گھر کو بیچ ڈالا (برباد کر دیا) جس رندی سے مقدس اور پاکیزہ لوگ محروم ہیں تیرے عشق نے اس کا راز
میرے کان میں پھونک دیا -

(۱۰) در دیدہ بجائے خواب آب است مرا زیرا کہ بدیدنت شتاب است مرا
گویند بخواب تا بخوابش بینی اے بیخبراں چہ جائے خواب است مرا

آب - آنسو۔ شتاب - عجلت، جلدی۔

میری آنکھوں میں نیند کے بجائے آنسو ہیں کیونکہ مجھے تیرے دیدار کی بڑی عجلت ہے۔ مجھے کہتے ہیں کہ تو سورہ۔ تاکہ اس (محبوب) کو خواب ہی میں دیکھ لے۔ مگر اے بیخبر! یہ میرے سونے کا کونسا موقع ہے۔

اس رباعی میں شاعر نے ناکامی عشق اور محرومی وصال کو نہایت دردناک پیرایہ میں بیان کیا ہے "ہجران نصیب عاشق دیدار یار کے لئے مضطرو بیقرار ہے لیکن کوئی صورت نظر نہیں آتی"۔ حصول مقصد کا صرف یہی ایک طریقہ رہ گیا ہے کہ اسے خواب ہی میں دیکھ لے لیکن فراق یار میں نیند کہاں ؎

فراق یار نے بیچین مجھ کو رات بھر رکھا — کبھی تکیہ ادھر رکھا کبھی تکیہ ادھر رکھا

(۱۱)
تا در درِ سید چشم خونخوار تو را — خواہم کہ کشد جان من آزار تو را
یارب کہ بچشم زخم دوراں ہرگز — دردے نرسد نرگسِ بیمار تو را

آزار کشیدن - دکھ درد میں مبتلا ہونا۔ چشم زخم - نظر بد۔ نرگس بیمار۔ محبوب کی آنکھیں۔

جب سے تیری خونخوار آنکھ درد میں مبتلا ہے میں چاہتا ہوں کہ تیرا آزار میری جان کو لگ جائے۔ خدا کرے کہ زمانہ کی نظر بد سے تیری نرگس بیمار کو کوئی دکھ نہ پہنچے۔

(۱۲)
مہمان تو خواہم آمدن جانانا — مے توانی کن ز حاسداں پنہانا
خالی کن ایں خانہ ز بس مہمانا — با ما کس را بخانہ در منشانا

منشانا - نشاندن مصدر سے فعل نہی کا صیغہ ہے بمعنی بٹھانا۔ خانہ - مراد خانۂ دل۔

اے محبوب! میں چاہتا ہوں کہ تیرا مہمان ہوں اگر ہو سکے تو مجھے حاسدوں کی نظر سے پوشیدہ رکھنا اس گھر کو مہمانوں کے ہجوم سے خالی کر اور گھر میں ہمارے ساتھ کسی اور کو نہ بٹھانا۔

مطلب یہ کہ خانۂ دل میں ایک ہی محبوب کی گنجائش ہو سکتی ہے اس لئے ان لوگوں کو جو محبوب حقیقی کے مشاہدہ کے طلبگار ہیں۔ چاہیئے کہ پہلے اپنے آئینہ دل کو عالم کثرت کی محبت کے غبار سے پاک و صاف کریں۔ رومی ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دول — کیں خیال است و محال است جنوں

(۱۳)
آں رشتہ کہ قوّت روانست مرا — آرائش جان ناتوانست مرا
برلب چو کشی جاں کشدم از پئے آں — پیوند چو بار رشتۂ جانست مرا

رشتہ - تعلق مراد رشتۂ الفت۔ رواں - روح۔

وہ رشتہ جو میری روح کی قوت اور جان ناتواں کی آلائش ہے اگر تو اُسے لب پر کھینچ لائے تو میری جان
بھی ساتھ ہی نکل جائیگی کیونکہ اس کا تعلق میرے رشتۂ جان کے ساتھ ہے۔
مطلب یہ کہ مجھے محبوب حقیقی کے ساتھ جو تعلق ہے جان اسی کی وجہ سے قائم ہے اگر اس تعلق کا انقطاع ہو
جائے تو جان بھی نکل جائے گی اور میری زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مومن ؎

وہ دے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری — چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہو گا

(۱۴)

تا چند کشم غصۂ ہر ناکس را — وز خست خود خاک شوم ہر خس را
کارم بدعا چو بر نمے آید راست — دادم سہ طلاق ایں فلک اطلس را

ناکس۔ کمین، نالائق، فرومایہ۔ خست۔ کمینہ پن۔ خس۔ مراد ذلیل لوگ۔
سہ طلاق۔ طلاق مغلظہ یا طلاق ثلاثہ۔ شریعت میں تین طلاقوں کے بعد زن و شوہر کے تعلقات بالکل منقطع
ہو جاتے ہیں۔ مراد انقطاع کلی۔ فلک اطلس۔ نیلگوں آسمان۔ مشرقی شاعری میں ستاروں کی نحوست و سعادت
کے اعتبار سے آسمان ہی کو تمام آفات و بلیات کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔
میں کب تک ہر ذلیل آدمی کے غصہ کو برداشت کرتا رہوں اور اپنی ذلت و رسوائی کے باعث ہر کمینے کے سامنے
خوار و زار ہوں جب دعا سے بھی میرا کام بنتا ہوا نظر نہیں آتا تو میں نے اس نیلگوں آسمان کو طلاق مغلظہ دے دی یعنی
سفلہ نواز دنیا سے قطع علائق کر کے قناعت اختیار کر لی۔ کیونکہ ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں — طوق زریں ہمہ در گردن خر مے بینم

(۱۵)

ہر گہ بینی دو سہ سرگرداں را — عیب رہ مرداں نتواں کرد آں را
تقلید دو سہ مقلد بے معنی — بدنام کند رہ جواں مرداں را

مقلد۔ تقلید کرنے والا۔ بے معنی۔ بیہودہ۔ جوانمرداں۔ مراد محققین و مجتہدین۔
جب تو چند سرگرداں آدمیوں کو دیکھے تو ان کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے مردان خدا کے طریق کی عیب
جوئی نہ کر کیونکہ چند بے معنی مقلدوں کی تقلید محققین و مجتہدین کے مسلک کو بھی بدنام کر دیتی ہے۔
صوفیوں کے لباس میں بعض اشخاص ایسے بھی ہوتے ہیں جو فی الحقیقت صوفی نہیں ہوتے بلکہ اپنے ذاتی
مفاد کی خاطر خلق خدا کو گمراہ کرنے کے لئے بھیس بدل لیتے ہیں۔ اکثر مبتدی ان کو ولی اللہ اور خدا رسیدہ
کر ان کے دام تزویر میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور جب گوہر مقصود سے محروم رہتے ہیں تو مسلک طریقت ہی کو مطعون

کرتے ہیں۔

(۱۶)

دنیا جم را و قیصر و خاقاں را — تسبیح ملک را و صفا رضواں را
دوزخ بدرا بہشت مر نیکاں را — جاناں ما را و جان ما جاناں را

دنیا جمشید، قیصر اور خاقان کے لئے ہے۔ تسبیح فرشتوں کے لئے اور صفائی رضوان کے واسطے۔ دوزخ
گناہگاروں کے لئے اور بہشت نیکوں کے لئے۔ لیکن محبوب ہمارے لئے اور ہماری جان محبوب کے لئے۔
مطلب یہ کہ قسام ازل نے بمصداق "کل میسر لما خلق لہ" ہر شخص کو کسی خاص مقصد کے لئے
پیدا کیا ہے اور ہماری غایت وجود عشق ہے ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے — جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا — غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

(۱۷)

وصل تو کجا و من مہجور کجا — دُردانہ کجا حوصلۂ مور کجا
ہر چند ز سوختن ندارم باکے — پروانہ کجا و آتش طور کجا

حوصلہ۔ پوٹا، موتی کا دانہ چیونٹی کے پوٹے میں نہیں سما سکتا۔
پروانہ۔ انسان۔ آتش طور۔ کنایہ از انوار ربانی۔
کہاں تیرا وصل اور کہاں میں ہجراں نصیب، کہاں موتی کا دانہ اور کہاں چیونٹی کا حوصلہ۔ اگرچہ میں
جل جانے سے خوفزدہ نہیں مگر پھر بھی کہاں پروانہ اور کہاں آتش طور۔ مطلب یہ کہ ؎

حق تو یہ ہے کہ آپ کا ملنا محال ہے — اے آرزوئے وصل تجھے کیا خیال ہے

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ موسیٰ نے کوہ طور پر جا کر حضور باریتعالیٰ میں عرض کی "رب ارنی" (اے خدا
تو مجھے اپنا جمال دکھا) جواب ملا کہ "لن ترانی" (اے موسیٰ تو مجھکو نہیں دیکھ سکتا) ہاں اس پہاڑ پر ہم اپنی تجلی
ڈالتے ہیں اگر تو اس کا متحمل ہو سکا تو ہمارا دیدار بھی کر لے گا لیکن موسیٰ دیکھتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑے۔
جب موسیٰ علیہ السلام ایسے اولوالعزم پیغمبرؑ اس کے نظارہ جمال کی تاب نہیں لا سکتے تو پھر عامۃ الناس
کا ذکر ہی کیا۔ البتہ انسان کی انتہائی ترقی یہ ہے کہ اپنی ہستی کو محبوب حقیقی کی ذات منزہ میں فنا کر دے۔

(۱۸)

برتافت عنان صبوری از جان خراب — شد مہجور کباب حلقۂ چشم از تب و تاب
دیگر چو عناں نپیچم از حکم تو سر — گر دولت پابوس تو یابم چو رکاب

عنان برتافتن - باگ موڑ لینا، توجہ پھیر لینا۔ عنان پیچیدن - سرکشی کرنا۔

اس خراب و خستہ جان کے ہاتھ سے صبر و استقامت کی باگ چھوٹ گئی اور حلقۂ چشم رنج انتظار کے باعث رکاب کی مانند ہو گیا ہے اگر رکاب کی طرح میں بھی تیری دولت پابوسی سے بہرہ اندوز ہو جاؤں تو پھر عنان کی مانند کبھی تیرے حکم سے سرتابی نہ کروں گا۔

(۱۹)

از چرخ و فلک گردشِ یکساں مطلب   وز دورِ زمانہ عدلِ سلطاں مطلب

رونے بہ چنج کہ در جہاں خواہی بود   آزارِ دلِ ہیچ مسلماں مطلب

تو گردش افلاک سے یکساں (دلخواہ) رفتار کی امید نہ رکھ اور دورِ زمانہ سے سلطان کے عدل کی تمنا نہ کر (بلکہ کوشش کر کہ) اس چند روزہ دنیاوی زندگی میں کسی مسلمان کا دل تیرے ہاتھوں نہ دکھے۔

رسول کریم (صلعم) نے فرمایا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ - مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ زندگی پنجروزہ ہے۔ سعادت ابدی کا راز درحقیقت ابنائے نوع کی دلداری اور دلجوئی میں مضمر ہے۔ مولانا روم ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است   از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

کعبہ بنگاہ خلیل آذر است   دل گذرگاہ جلیل اکبر است

اور کسی نے خوب کہا ہے ؎

دلے زدست میازار و ہرچہ خواہی کن   کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

(۲۰)

گہ میگردم بر آتشِ ہجر کباب   گہ سرگردانِ بحرِ غم ہمچو حباب

القصہ چو خار و خس دریں دیر خراب   گہ بر سرِ آتشم گہے بر سرِ آب

کبھی تو میں ہجر کی آگ پر کباب کی طرح بھن رہا ہوں اور کبھی غم کے سمندر میں حباب کی مانند سرگرداں پھر رہا ہوں غرضیکہ اس دیر خراب (دنیا) میں خار و خس کی مانند کبھی تو آگ پر ہوں اور کبھی پانی پر (یعنی ہمیشہ مصائب و آلام میں گرفتار رہتا ہوں)۔

(۲۱)

کارم ہمہ نالہ و خروشست امشب   نی صبر پدیدست و نہ ہوشست امشب

دوشم خوش بود ساعتے پنداری   کفارۂ خوشدلیٔ دوشست امشب

کفارہ - بدلہ، عوض۔ دوش - کل رات۔

آج رات میرا تمام کام (محض) نالہ و خروش ہے نہ تو صبر ظاہر ہے اور نہ ہی ہوش بجا ہیں کل رات میری ایک گھڑی اچھی گذر گئی معلوم ہوتا ہے کہ آج اس دوشینہ خوشی کا عوض مل رہا ہے۔

(۲۲)

اے آئینۂ حسنِ تو در صورتِ زیب   گرداب ہزار کشتیٔ صبر و شکیب

ہر آئینہ کہ غیرِ حسنِ تو بود   خوانند خروش سرابِ صحرائے فریب

شکیب - شکیبائی، صبر۔ ہر آئینہ - مراد دنیاوی دلفریب اشیاء۔ سراب - ریگستان میں سورج کی شعاعیں ذروں پر پڑتی ہیں تو ان کی چمک سے دھوکا ہوتا ہے کہ صاف و شفاف پانی بہہ رہا ہے لیکن فی الحقیقت وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا پیاسے ہرن اس کے پیچھے دوڑتے ہیں اور آخر کار دھوپ میں مر جاتے ہیں۔

اے محبوب! تیری صورت زیبا کی وجہ سے تیرے حسن کا آئینہ صبر و شکیبائی کی ہزاروں کشتیوں کے لئے گرداب ہے ہر آئینہ جو تیرے حسن کے سوا ہو عقل اسے صحرائے فریب کے نام سے تعبیر کرتی ہے۔

مطلب یہ کہ محبوب حقیقی کے علاوہ دنیا کی تمام دلفریب اشیاء جو انسان کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہیں ایک سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں اور ان کی محبت سے بجز حسرت و وبال حاصل نہیں ہوتا۔

(۲۳)

دور از تو فضائے دہر برمن تنگ است   دارم دلکی کہ زیرِ صد من سنگ است

عمریست کہ مدتش زماں را عار است   جانیست کہ بردنش اجل را ننگ است

تیری جدائی میں فضائے دہر اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہے، میرے سینے میں ایک ایسا دل ہے جو سینکڑوں من پتھر کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہے، میری عمر ایسی ہے جس کی مدت زمانہ کے لئے باعث شرم ہے اور میری جان ایسی ہے کہ موت کو بھی اس کے لے جانے سے عار ہے۔

(۲۴)

آں را کہ قضا ز خیلِ عشاق نوشت   آزاد ز مسجد است و فارغ ز کنشت

دیوانۂ عشق را چہ ہجراں چہ وصال   از خویش گذشتہ را چہ دوزخ چہ بہشت

جس کو قضا و قدر نے زمرۂ عشاق میں لکھا وہ مسجد و بتخانہ سے آزاد و فارغ ہے دیوانۂ عشق کے لئے ہجر و وصال یکساں ہے۔ جو شخص اپنی ہستی سے گذر گیا ہو اس کے لئے کیا دوزخ اور کیا بہشت (دونوں برابر ہیں)۔

(۲۵)

اے دل ہمہ خوں شوی شکیبائی چیست   وی جاں بدر آ ہمہ رعنائی چیست

اے دیدہ چہ مردمیست شرمت بادا   نادیدہ جمالِ دوست بینائی چیست

اے دل تو سراپا خون ہو جا صبر و شکیبائی کیا ہے اور اے جان باہر نکل یہ اترانا کیسا ہے۔ اے آنکھ یہ مردانگی

ہے۔ تجھے شرم کرنی چاہئے جب دوست کا حال نہیں دیکھا تو بینائی سے فائدہ۔

عشق و صبر دو متضاد کیفیات ہیں اس لئے (عشق میں) دل وہی معتبر ہے جو فراق یار میں خون ہو ہو کر آنکھوں سے بہہ جائے۔ اور جان وہی قابل اعتبار ہے جو حسرت دیدار میں قربان کردی جائے بینائی کی غایت یہ ہے کہ انسان مشاہدۂ جمال سے بہرہ اندوز ہو۔ اگر وہ اس سے محروم رہے تو بینائی کا عدم و وجود یکساں ہے۔

(۲۶

دل عادت و خوئی جنگجوئے تو گرفت	جاں گوہر ہمت سر کوئے تو گرفت
گفتم بسخطِ تو جانبِ ما را گیر	ایں ہم طرفِ روئے نکوئے تو گرفت

خط۔ سبزۂ رخسار۔ گوہر ہمت۔ استقامت فی العشق مراد ہے۔

دل نے تیری جنگجوئی کی عادت اختیار کرلی اور جان نے تیرے کوچے میں گوہر ہمت حاصل کیا۔ میں نے تیرے خط سے کہا کہ ہماری طرفداری کر مگر وہ بھی تیرے ہی خوبصورت چہرے کا طرفدار ہو گیا۔

مطلب یہ کہ تیرے جور پیہم کے باوجود جان و دل تیری محبت سے باز نہیں رہ سکتے۔ امید تھی۔ کہ خط نمودار ہونے کے بعد تیرا غرور حسن کم ہو جائیگا اور تو ضرور ہماری طرف مائل ہوگا لیکن حیف کہ خط بھی تیرا ہی طرفدار نکلا یعنی خط آنے سے تیرے چہرے کی زیبائش دوبالا ہوگئی اور اس نے تیرے غرور حسن کو افزوں کردیا۔

(۲

گفتارِ نکو دارم و کردارم نیست	از گفتِ نکو بے عمل عارم نیست
دشوار بود کردن و گفتن آساں	آساں بسیار، ہیچ دشوارم نیست

باتیں تو چکنی چپڑی کرتا ہوں مگر عمل کچھ بھی نہیں (اس پر طرہ یہ کہ اپنی بے عمل باتوں پر شرسار بھی نہیں ہوتا۔ (عمل) کرنا دشوار ہوتا ہے اور باتیں بنانا آسان۔ میرے پاس آسان (گفتار) تو بہت ہے مگر دشوار (عمل) کچھ بھی نہیں ہے

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں	بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

۱

اے خواجہ ترا غم جمالی ماہست	اندیشۂ باغ و راغ خرمن گاہست
ما سوختگانِ عالمِ تجریدیم	مارا غمِ لا الٰہ الا اللہ ہست

خواجہ۔ سالک و آقا مراد دنیا دار۔ راغ۔ سبزہ زار۔ خرمن۔ مرکب ہے خر (بڑا) اور من (بوجھ) سے۔ بڑا بوجھ۔ کھلیان، غلہ کا ڈھیر۔ عالم تجرید۔ وہ زندگی جس میں سالک کو ماسوا سے کوئی علاقہ نہ ہو۔

اے خواجہ! تجھے کسی معشوق کے حسن و جمال کا غم ہے اور باغ و سبزہ زار اور کھلیان کی فکر ہے مگر ہم عالم

تجرید کے جلے ہوئے ہیں اس لئے ہمیں محض لا الٰہ الا اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا غم ہے۔

مطلب یہ کہ ہم ماسویٰ کو دل سے محو کر کے وحدت بحت کے مشاہدہ میں مستغرق ہو چکے ہیں اس لئے وہ تمام دلفریب اشیاء اور آسائش و معاش کے سامان جو اہل دنیا کی نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں اور ان کے لئے حجاب بن کر رہ گئے ہیں ہمارے لئے موثر نہیں ہو سکتے۔

(۲۹)

گویند دل آئینۂ آئیں عجب است	در روئے رخ شاہداں خود بیں عجب است
در آئینہ روئے شاہداں نیست عجب	خود شاہد و خود آئینہ ایں عجب است

شاہد۔ معشوق۔ آئیں۔ طرز روش۔ خود بیں۔ مغرور۔ آئینہ۔ چونکہ تزکیہ و تصفیہ کی بدولت انوار ربانی کا مشاہدہ دل میں ہوتا ہے اس لئے اسے آئینہ کہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ دل ایک عجیب طرز کا آئینہ ہے اور اس میں خود بیں معشوقوں کا چہرہ نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے آئینہ میں معشوقوں کا چہرہ نظر آ جائے تعجب نہیں بلکہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ وہ خود ہی معشوق ہے اور خود ہی آئینہ (شاہد و آئینہ فی الحقیقت ایک ہیں)۔

اس رباعی میں شیخ علیہ الرحمۃ نے مسئلہ وحدت الوجود (ہمہ اوست) کو بیان فرمایا ہے و نعم ما قال غالبؒ ؎

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے	حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

(۳۰)

بر شکلِ بتاں رہزنِ عشاق حق است	لا بلکہ عیاں در ہمہ آفاق حق است
چیزے کہ بود ز روئے تقیید جہاں	واللہ کہ ہماں ز وجہ اطلاق حق است

بت۔ یہاں بت سے مراد "پیر و مرشد" لیناد رست نہیں۔

بتوں کی شکل میں عشاق کے دین و دل کو غارت کرنیوالا حق (تعالیٰ) ہی ہے یہ نہیں بلکہ تمام عالم آفاق میں اسی کا ظہور ہے ہر چیز جو تعین و تقید کی رُو سے جہان میں معین و مقید ہے۔ خدا کی قسم از روئے اطلاق وہ حق ہی ہے

مطلب یہ کہ ماسویٰ کا وجود محض اعتباری ہے جب تعینات کے پردے اٹھ جائیں تو سالک عارف کو کائنات کے ذرہ ذرہ میں اسی کے جلوے کی روشنی* نظر آتی ہے۔ واردؔ ؎

* سینکڑوں جلوے منتشر دیکھتی ہے ادھر ادھر	چشم حقیقت آشنا، بتکدۂ مجاز میں

(۳۱)

در ہجر انم قرار می باید و نیست	آسایش جان زار می باید و نیست
سرمایۂ روزگار می باید و نیست	یعنی کہ وصال یار می باید و نیست

صبر و قرار، آسائش و آرام اور سرمایہ روزگار سے مراد وصال یار ہی ہے۔
پھر بھی ہم کو صبر و قرار چاہئے مگر نہیں ہے۔ اور اس جان نحیف کو آسائش و آرام کی ضرورت ہے مگر وہ بھی حاصل نہیں بس سرمایۂ روزگار کی حاجت ہے مگر نصیب نہیں۔ یعنی کہ وصال یار درکار ہے مگر میسر نہیں۔

(۴۲) روزم بغم جہان فرسودہ گذشت   شب در ہوس بودہ و نابودہ گذشت
عمرے کہ ازو دمے جہانے ارزد   القصہ بفکر ہائے بیہودہ گذشت

میرا دن تو دنیائے ناپائدار کی فکر میں گذر گیا اور رات موجود و غیر موجود اشیاء کی حرص و ہوس میں تمام ہو گئی۔ القصہ میری جان کی ایک ساعت کی قیمت یہ جہاں ہو سکتا تھا (وہ) بیہودہ تفکرات میں بسر ہو گئی۔

(۴۳) گریم ز غم تو زار و گوئی زرق است   چوں زرق بود کہ دیدہ در خوں غرق است
تو پنداری کہ جملہ دلہا دل تو است   نہ نہ صنما میان دلہا فرق است

میں تیرے غم فراق کی وجہ سے زار و قطار روتا ہوں مگر تو اسے مکر (دکھاوا، نمود و نمائش) کہتا ہے۔ (اے محبوب!) یہ مکر کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ میری آنکھیں تو خون میں ڈوبی ہوئی ہیں تو سمجھتا ہے کہ تمام دل تیرے ہی دل کی مانند ہیں۔ نہیں نہیں اے محبوب! دلوں میں فرق ہوتا ہے۔

(۴۴) آں را کہ فنا شیوہ و فقر آئین است   نہ کشف و یقیں نہ معرفت نہ دیں است
رفت او ز میان ہمیں خدا ماند خدا   الفقر اذا تم ہو اللہ این است

فنا۔ وہ کیفیت جس میں ما سوا کے خیال کو لوح خاطر سے کلیتہً محو کر ڈالتا ہے بلکہ اپنی ہستی کو بھی فراموش کر دیتا ہے اسی مقام کو فقر تام اور فقر کامل سے بھی موسوم کرتے ہیں۔
کشف۔ اصطلاح صوفیائے کرام میں مشاہدۂ تجلیات کو کہتے ہیں جس سے نور ایمان پیدا ہوتا ہے اور معرفت اسماء و صفات باریتعالیٰ حاصل ہوتی ہے۔
جس کسی کا شیوہ فنا اور دستور العمل فقر ہے وہ کشف و یقین اور معرفت و دین (مقامات) کا پابند نہیں۔ وہ خود درمیان سے اٹھ جاتا ہے تو خدا ہی خدا باقی رہ جاتا ہے۔ الفقر اذا تم ہو اللہ (فقر جب تام ہو جاتا ہے تو اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے) اسی کو کہتے ہیں۔
کشف و یقین، معرفت و دین، فقر کے مقامات ہیں جب سالک اپنی ہستی کو محو و فنا کر دیتا ہے تو وہ
من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی   تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کا مصداق بن جاتا ہے اور مقامات کا پابند نہیں رہتا۔

(۴۵) کردم توبہ شکستیش روز نخست   چوں شکستم بتو پیام خواندی چست
القصہ زمام توبہ ام در کف تست   یکدم نہ شکستہ اش گذاری نہ درست

میں نے توبہ کی تو نے پہلے ہی روز اسے توڑ دیا۔ اور جب میں نے توبہ کو توڑ دیا تو تو نے شدومد کے ساتھ مجھے توبہ کی تلقین کی۔ القصہ میری توبہ کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے۔ نہ تو اسے دم بھر شکستہ رہنے دیتا ہے اور نہ درست۔

(۴۶) دنیا بمثل چو کوزۂ زریں است   گہ آب درو تلخ و گہے شیریں است
تو غرہ مشو کہ عمر من چندیں است   کیں اسپ اصیل مدام زیر زین است

دنیا ایک سنہری کوزے کی مانند ہے کبھی اس میں تلخ پانی ہوتا ہے اور کبھی شیریں۔ تو مغرور نہ ہو کہ میری عمر اس قدر ہے کیونکہ یہ اصیل گھوڑا ہمیشہ زین کے نیچے رہتا ہے۔

(۴۷) تا در نرسد وعدۂ ہر کار کہ ہست   سودے ندہد یاری ہر یار کہ ہست
تا زحمت سرما و زمستاں نہ کشد   پر گل نشود دامن ہر خار کہ ہست

جب تک کسی کام کا مقررہ وقت نہ پہنچے کسی یار و مددگار کی مدد و معاونت سود مند نہیں ہوتی۔ جب تک سردی و گرمی کی زحمت برداشت نہیں کرتا کسی کانٹے کا دامن پھولوں سے پر نہیں ہوتا۔
کل امر مرھون باوقاتھا (کوئی کام اپنے وقت مقررہ سے پہلے نہیں ہوتا)۔
کسی پودے کا بیج جب زمین میں بویا جاتا ہے۔ تو پہلے وہ ایک کانٹے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ بڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ گرمی و سردی (موسموں کی ناموافقت) کی زحمت کو برداشت کرتا ہوا انتہائے کمال تک پہنچتا ہے اور اس میں پھول اور پھل نمودار ہوتے ہیں۔ اسی طرح کوئی آدمی جب تک دنیا کے سرد و گرم (مصائب و نوائب) سہتا ہوا مدارج کمال کو طے نہیں کرتا نخل مرام سے محروم رہتا ہے اور اس کا نخل تمنا بار ور نہیں ہوتا۔

(۴۸) یارب تو زمانہ را دلیلے بفرست   نمروداں را پشہ چو پیلے بفرست
فرعونگاں ہمہ زبردست شدند   موسیٰ و عصا و رود نیلے بفرست

نمرود۔ ایک کافر بادشاہ کا لقب ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کو سزا دی، ایک مچھر ناک کے راستے اس کے دماغ میں چلا گیا اور تنگ کرنا شروع کیا۔
فرعون۔ ولید بن مصعب کا لقب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مصر پر حکمران تھا اور خدائی کا

دعویٰ کرتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام مامور من اللہ ہو کر اس کے پاس گئے۔ مگر وہ راہ راست پر نہ آیا آخر کار موسیٰؑ بنی اسرائیل
کے ساتھ مصر سے نکل کھڑے ہوئے فرعون نے تعاقب کیا۔ رود نیل کے کنارے پہنچے تو موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے
اپنا عصا مارا۔ دریا میں سے راستہ پیدا ہو گیا اور وہ بنی اسرائیل سمیت پار پہنچ گئے۔ فرعون بھی راستہ صاف دیکھ کر دریا
میں چلا گیا اور اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔

اے خدا تو زمانہ کے لئے کوئی راہنما بھیج دے اور ان فسردوں کے واسطے ہاتھی جیسا کوئی مچھر بھیج دے فرعون
(سیہ لوگ) چیرہ دست ہو رہے ہیں اس لئے تو حضرت موسیٰ اور عصا اور رود نیل بھیج دے۔

(۳۹)
آساں آساں ز خود اماں نتواں یافت ۔۔۔ ویں شربتِ شوق رایگاں نتواں یافت
زاں می کہ عزیز جانِ مشتاقان است ۔۔۔ یک جرعہ بصد ہزار جاں نتواں یافت

اپنی خودی سے بآسانی نجات حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ شربتِ شوق یونہی دستیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ شراب جو مشتاقانِ
جمال کے لئے عزیز جان ہے اس کا ایک گھونٹ ہزاروں جانوں کے عوض بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔

(۴۰)
از درد نشاں مدہ کہ در جانِ تو نیست ۔۔۔ بگذر ز ولایتے کہ آں زانِ تو نیست
از بے خردی بود کہ با جوہریاں ۔۔۔ لاف از گہرے زنی کہ در کانِ تو نیست

اس درد کا نشان نہ دے جو تیری جان میں نہیں ہے۔ اور اس ملک کا ذکر نہ کر جو تیری ملکیت نہیں ہے۔ کیسی
حماقت ہے کہ تو جوہریوں کے سامنے ایسے موتی کے متعلق لاف زنی کرتا ہے۔ جو تیری کان میں نہیں ہے۔

(۴۱)
چشمم ہمہ اشک گشت و جسمم بگریست ۔۔۔ در عشقِ تو بے جسم ہمی باید زیست
از من اثرے نماند ایں گریہ ز چیست ۔۔۔ چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

میری آنکھیں سراسر اشک بن گئیں اور میرا جسم (آنکھیں بن کر) رو دیا۔ تیرے عشق میں جسم کے بغیر زندہ
رہنا چاہئے۔ میری ہستی کا تو نشان تک بھی باقی نہیں رہا پھر یہ گریہ و زاری کیوں ہے اور جب میں مجسم معشوق
ہو گیا ہوں تو عاشق کون ہے۔

مصرعہ اول ایک نسخہ میں اس طرح درج ہے۔ ع۔
جسمم ہمہ اشک گشت و چشمم بگریست

یہ نسخہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ میری آنکھیں اس قدر روئیں کہ میرا تمام جسم آنسو ہو
کر بہہ گیا۔ یعنی محبوب حقیقی کے عشق میں کثرت گریہ کی وجہ سے خودی کا احساس مٹ گیا۔

شیخ ابو سعید رحمہ اللہ مسئلہ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ تمام عالم کثرت
وحدت مطلق ہی کی تجلیات و تعینات ہیں۔

(۴۲)
تا پائے تو رنجہ گشت و با درد بساخت ۔۔۔ مسکین دلِ رنجورِ من از درد گداخت
گویا کہ ز روزگار دردے دارد ۔۔۔ ایں درد کہ در پائے تو خود را انداخت

جب سے تیرا پاؤں تکلیف زدہ ہو کر درد کرنے لگا ہے میرا مسکین اور رنجور دل درد سے گھل گیا۔ معلوم
ہوتا ہے۔ کہ یہ درد بھی زمانہ کا ستایا ہوا ہے جب ہی تو تیرے پاؤں آن پڑا ہے۔

(۴۳)
عشقِ تو بلائے جان درویشِ من است ۔۔۔ بیگانہ نمی شود مگر خویشِ من است
گفتم سفرے کنم ز غم بگریزم ۔۔۔ منزل بمنزل غمِ تو در پیشِ من است

تیرا عشق مجھ درویش کے لئے بلائے جان ہو گیا ہے۔ اور بیگانہ (جدا) نہیں ہوتا شاید وہ میرے اقربا
میں سے ہے میں نے غم سے بھاگنے کے لئے سفر کی ٹھانی مگر تیرا غم منزل بمنزل میرے آگے آگے موجود تھا۔

(۴۴)
زاں می خوردم کہ روح پیمانۂ اوست ۔۔۔ زاں مست شدم کہ عقل دیوانۂ اوست
دودے بمن آمد و آتشے با من زد ۔۔۔ زاں شمع کہ آفتاب پروانۂ اوست

شمع ۔ ذات باری عزّ اسمہٗ ۔ می ۔ شرابِ معرفت و عشقِ الٰہی۔

میں نے وہ شراب پی ہے جس کا پیمانہ روح ہے اور اس (شراب) سے مست ہوا ہوں جس کے لئے عقل
دیوانہ ہو رہی ہے۔ اس شمع کا دھواں مجھ تک آیا جس کا آفتاب بھی پروانہ ہے۔ اور اس (دھوئیں) نے میرے
تن بدن میں آگ لگا دی۔

(۴۵)
زنّار پرست زلفِ عنبر بویت ۔۔۔ محراب نشین گوشۂ ابرویت
یا رب تو چہ کعبۂ کہ باشد شب و روز ۔۔۔ روئے دلِ کافر و مسلماں سویت

(جو ہے) وہ تیری زلف عنبر بو کا زنار پرست ہے یا تیرے گوشۂ ابرو کا محراب نشیں ہے سبحان اللہ! تو
کیسا کعبہ ہے کہ شب و روز کافر و مسلمان کے دل کا رخ تیری ہی جانب ہے (سب تیرے ہی مشتاق ہیں)۔

(۴۶)
بادل گفتم کہ اے دل احوال تو چیست   دل دیدہ پر آب کرد و بسیار گریست
گفتا کہ چگونہ باشد احوال کسے   کو را بمراد دیگرے باید زیست

میں نے دل سے دریافت کیا کہ اے دل تیرا کیا حال ہے۔ دل آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور بہت رویا۔ اور کہا کہ اس شخص کا حال کیا ہو سکتا ہے جس کو کسی دوسرے کی مراد کے موافق جینا پڑے۔

(۴۷)
اے مقصد خورشید پرستاں رویت   محراب جہانیاں خم ابرویت
سرمایۂ عیش تنگدستاں دہنت   سررشتۂ دلہائے پریشاں مویت

اے محبوب! تیرا چہرہ سورج دیوتا کے پجاریوں کا مقصود ہے اور تیرا خم ابرو اہل جہان کے لئے محراب ہے۔ تیرا دہن تنگ دستوں کے عیش کا سرمایہ ہے اور تیرے گیسو پریشان دلوں کا سررشتہ ہیں۔ دنیا میں کوئی کافر ہے کوئی مومن۔ کوئی محراب و منبر کے سامنے سربسجود ہے، کوئی بتوں کے آگے سرنیاز خم کئے ہوئے ہے اور کوئی سورج دیوتا کی پرستش میں ہمہ تن محو ہے غرضیکہ ہر فرد اپنے جداگانہ مسلک پر گامزن ہے مگر فی الحقیقت سب کا مقصود وہی ذات واحد ہے۔ اور سب اسی کی کسی نہ کسی صفت سے غذائے روح حاصل کررہے۔

(۴۸)
غم عاشق سینۂ بلا پرور ماست   خوں در دل آرزو ز چشم تر ماست
ہاں غیر اگر حریف یا بی پیش آئی   کالماس بجائے بادہ در ساغر ماست

غم ہمارے بلا پرور سینہ کا عاشق ہے اور ہماری چشم تر کی وجہ سے آرزو کا دل خون ہو رہا ہے اے رقیب اگر تو میرا حریف و مقابل ہے تو آگے آ۔ کیونکہ ہمارے ساغر میں شراب کی جگہ ہیرا بھرا ہوا ہے۔

(۴۹)
در کشور عشق جائے آسایش نیست   آنجا ہمہ کاہش است افزایش نیست
بے درد و الم توقع درماں نہ   بے جرم و گنہ امید بخشایش نیست

سرزمین عشق میں آرام و آسائش کی جگہ نہیں ہے وہاں سراسر کاہش (گھٹنا) ہی کاہش ہے۔ افزائش (بڑھنا) بالکل نہیں۔ درد و الم کے بغیر علاج کی توقع نہیں ہو سکتی اسی طرح جرم و گناہ کے بغیر بخشش کی بھی امید نہیں ؎

بے گناہوں میں چلا جب اس کو ڈھونڈنے   مغفرت بولی ادھر آ میں گنہگاروں میں ہوں

اور کسی نے خوب کہا ہے ؎

خالق کو اپنا پاس شفاعت ضرور تھا   بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا

(۵۰)
عشق آمد و گرد فتنہ بر جانم بیخت   عقلم شد و صبر رفت و ہوشم بگریخت
زیں واقعۂ سخت دوست دستم بگرفت   چوں دید کہ ہر چہ داشت در پایم ریخت

عشق آیا اور اس نے میری جان پر فتنہ و فساد کی گرد جھاڑ دی۔ میری عقل جاتی رہی صبر رخصت ہو گیا اور ہوش فرو ہو گئے۔ اس سخت واقعہ پر دوست نے میری دستگیری کی۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ جو کچھ میرے پاس تھا میں نے اس کے پاؤں پر نثار کر دیا۔ (یعنی امتحان و تلک ہوا اس نے مجھے سینے سے لگا لیا)۔

(۵۱)
گر مردہ بوم بر آمدہ سالے بیست   چہ پنداری کہ گورم از عشق تہیست
گر دست بخاک من نہی کاینجا کیست   آواز دہم کہ حال معشوقم چیست

میری موت پر بیس سال گذر جانے کے بعد بھی کیا تو خیال کر سکتا ہے کہ میری قبر عشق سے خالی ہے گر تو میری خاک لحد پر ہاتھ رکھ کر دریافت کرے کہ یہاں کون ہے تو میں آواز دوں کہ میرے معشوق کا حال کیسا ہے

؎ بجھنے کی دل کی آگ نہیں زیر خاک بھی   ہو گا درخت گور پہ میری چنار کا

(سالے بیست = مدت دراز)۔

(۵۲)
اے قبلۂ ہر کہ مقبل آمد رویت   روئے ہمہ مقبلات عالم سویت
امروز کسے کز تو بگرداند روئے   فردا بکدام رو بہ بیند رویت

مقبل = صاحب اقبال۔ فردا = فردائے قیامت، روز محشر۔

تیرا روئے زیبا ہر صاحب اقبال کے لئے قبلہ بنا ہوا ہے اور تمام ارباب اقبال تیری ہی طرف متوجہ ہیں۔ اگر آج کوئی تجھ سے روگردانی کرے تو کل کس منہ سے تیرا دیدار دیکھے گا۔

(۵۳)
از ما ہمہ عجز و نیستی مطلوب است   ہستی و توابعش ز ما مسلوب است
ایں اوست پدید گشتہ در صورت ما   ایں قدرت و فعل از و بما منسوب است

ہماری ذات سے سراسر عاجزی اور نیستی مطلوب ہے اور ہستی اور اس کے لوازمات ہم میں مفقود ہیں چونکہ ہماری صورت (پردۂ امکان) میں وہی (ذات واجب) نمایاں ہے اس لئے یہ قدرت و فعل مجازاً ہماری طرف منسوب ہیں۔

(۵۴)
گر سبحۂ صد دانہ شماری خوب است   در جام مے از کف نگذاری خوب است
گفتی چہ کنم چہ تحفہ آرم بر دوست   بے درد سیاہ ہر آنچہ آری خوب است

اگر سُو دانہ والی تسبیح شمار کرتا ہے جب بھی اچھا ہے اور اگر جام شراب ہاتھ سے نہیں چھوڑتا جب بھی معذور نہیں۔ تو دریافت کرتا ہے کہ کیا کروں اور دوست کی خدمت میں کیا تحفہ لے کر آؤں ؟ (تو اس بارگاہ میں) درد کے بغیر شاہ آمیز جو کچھ بھی لائے خوب ہے۔

(۵۵)
آلودۂ دُنیا جسے گر ریش تراست　　آسودہ تراست آنکہ درویش تراست
ہر خر کہ بروز گے وز نجیرے ہست　　چوں بنگری بار برو بیش تراست

جو شخص دنیا کی آلودگی میں زیادہ مبتلا ہے وہ زیادہ زخمی جگر رکھتا ہے اور جو زیادہ مفلس و درویش ہے وہ زیادہ آسودہ اور مرفہ الحال ہے۔ جس گدھے پر زنجیر اور گھونگرو (سامان آرائش) ہوں۔ اگر بغور دیکھیں تو اس پر بوجھ زیادہ ہوتا ہے۔ بیں سے

کیوں اتنا گراں بار ہے جو زاد سفر بھی　　اے راہ رو ملک عدم اٹھ نہیں سکتا

(۵۶)
دی شب کہ دلم ز تاب ہجراں میسوخت　　اشکم ہمہ در دیدۂ گریاں میسوخت
می سوختم آنچناں کہ غیر از دل تو　　بر من دل کافر و مسلماں میسوخت

کل رات جبکہ میرا دل گرمی فراق سے جل رہا تھا۔ اور میرے آنسو چشم اشکبار میں جل رہے (گرم آنسو میری آنکھوں سے بہہ رہے تھے)۔ میں اس طرح جل رہا (مضطر و بیقرار) تھا کہ میری حالت کو دیکھ کر تیرے سوا ہر ایک کافر و مومن کا دل میرے لئے جل رہا تھا۔

(۵۷)
سیمابی شد ہوا و زنگاری دشت　　اے دوست بیا و بگذر از ہر چہ گذشت
گر میل وفاداری اینک دل و جاں　　ور میل جفاداری اینک سر و طشت

ہوا سیمابی (شبنم آلود) اور دشت زنگاری (سرسبز) ہو گیا۔ اے دوست تو میری گذشتہ تقصیرات سے قطع نظر کر کے تو آ۔ اگر تجھے وفاداری کی خواہش ہے تو دل و جان حاضر ہے اور اگر جور و ستم کا خیال ہے تو یہ سر ہے اور یہ طشت (یعنی سر کاٹ کر طشت میں رکھ دے)۔

ے　گناہ لذت آشنا، تماشہ زار باب ہے　　ابھی فضا میں کیف ہے ابھی ترا شباب ہے

بہار کا موسم ہے۔ آب و ہوا کی لطافت اور مناظر قدرت کی دلفریبیاں صبر آزما ثابت ہو رہی ہیں دوست کسی وجہ سے خفا ہو کر چلا گیا ہے۔ آہ، کاش وہ میری گذشتہ تقصیرات سے درگذر فرمائے۔ کاش وہ ایک بار پھر آ جائے۔ تاکہ لطف بہار سے بہرہ اندوز ہو سکوں۔

(۵۸)
عقرب سر زلف یار و مہ چنبر اوست　　شیریں سخنی کہ شہد در شکر اوست
با ایں ہمہ کبر و ناز کاندر سر اوست　　قرباں دہ روزگار فرمانبر اوست

یار کی زلف کا سرا بعینہ عقرب اور اس کا حلقہ چاند (کی مانند) ہے۔ وہ ایسا شیریں گفتار ہے کہ اس کے شکر (لب یا دہن) میں شہد بھرا ہوا ہے۔ بادشاہ روزگار اس تمام کبر و ناز کے باوجود (جو اس کے سر میں ہے) اس کا فرمانبردار ہے۔

(۵۹)
اے دل چو خدنگت رگ جاں کشودت　　ستمانے بکس خرقۂ خون آلودت
می نال چنانکہ نشنوند آوازت　　می سوز چنانکہ بر نیاید دودت

اے دل اگر تیرے عشق نے تیری رگ جان کو زخمی کر دیا ہے تو اپنا خرقۂ خون آلود کسی کو مت دکھا۔ تو اس طرح نالہ و فریاد کر کہ کوئی تیری آواز نہ سنے اور اس طرح جل کہ دھواں بھی نہ ... سعدی نے

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز　　کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

(۶۰)
سخن دوست نمی یارم گفت　　در نیست گرانبہا نمی یارم سفت
ترسم کہ بخواب در بگویم بکسے　　شبہاست کزیں خوف نمی یارم خفت

میں اپنے دوست کی باتوں کا راز نہیں بتا سکتا۔ وہ ایک ایسا گرانبہا موتی ہے جس کو میں (سلک تقریر میں) نہیں پرو سکتا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں خواب میں کسی سے نہ کہہ دوں اس لئے بہت سی راتیں گذر گئی ہیں کہ میں سو بھی نہیں سکتا۔

(۶۱)
در بحر یقین کہ در تحقیق بسی است　　گرداب درو چو دم کشی نفسی است
ہر گوش صدف حلقۂ چشمے پر آب　　ہر موج اشارۂ ز ابروئے کسی است

گوش صدف = مراد صدف۔ سیپ جو کان کی مانند ہوتی ہے۔
ایمان و یقین کے سمندر میں تحقیق کے موتی بہت ہیں مگر اس میں "دم کشی نفس" کی مانند گرداب بھی ہیں۔ ہر آنکھ آنسو بھری آنکھ کا حلقہ ہے! اور ہر موج کسی (محبوب) کے ابرو کا اشارہ ہے۔
بحر یقین میں حقیقت و معرفت کے در شہوار تو یقیناً دستیاب ہو جاتے ہیں لیکن پہلے سخت ترین منازل طے کرنا پڑتی ہیں اور ہر قدم پر گوناگوں مصائب و نوائب سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ غالب سے

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ　　دیکھیں کیا گذرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک

(۶۲)

شب آمد و رفتم اندر غم دوست — ہم بر سر گریہ چشم را خوست
از خون دلم ہر مژہ پنداری — لختی است کہ پارۂ جگر بر سر اوست

رات آئی اور میں دوست کے غم فراق میں مبتلا ہوگیا۔ میری آنکھوں کو رونے کی عادت سی ہوگئی ہے خون دل کی وجہ سے میری ہر ایک پلک ایک ایسا گوشت کا ٹکڑا معلوم ہوتی ہے۔ جس پر جگر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا ہو۔

(۶۳)

گفتی کہ فلاں زیاد ما خاموش است — از بادۂ عشق دیگرے مدہوش است
شرمت بادا ہنوز خاک در تو — از گرمی خون دل من در جوش است

تم کہتے ہو کہ فلاں (یعنی میں) اسکو بھول گیا ہے۔ اور کسی دوسرے کے بادۂ عشق سے مدہوش و سرشار ہو رہا ہے۔ تم کو ایسا کہتے ہوئے شرم کرنی چاہئے کیونکہ ابھی تک تیرے دروازے کی خاک میرے خون دل کی گرمی کی وجہ سے جوش زن ہے۔ داغؔ ؎

دعویٰ الفت غلط کہتے ہیں لے جاں دیکھ کر — میرا دامن دیکھ کر، میرا گریباں دیکھ کر

(۶۴)

آں شب کہ مرا توصل آں مہ رنگ است — بالائے شبم کوتہ و پہنا تنگ است
واں شب کہ ترا بر من مسکیں جنگ است — شب کور و خروس گنگ و پروین لنگ است

پروین - ثریا - کور - مراد تاریک -

جس رات مجھے اس ماہرو کے وصل سے خوشی حاصل ہوتی ہے تو میری رات کی درازی کوتاہ اور وسعت تنگ ہوتی ہے اور جس رات تجھے مجھ مسکین کے ساتھ جنگ ہوتی ہے (یعنی شب جدائی) تو رات تاریک، مرغ سحر گونگا اور پروین لنگڑا ہوتا ہے۔ (یعنی شب وصال بہت مختصر ہوتی ہے اور جدائی کی رات کاٹے نہیں کٹتی ؎

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت کٹتے جاتے ہیں — مگر گھڑیاں جدائی کی گذرتی ہیں مہینوں میں

(۶۵)

اندر ہمہ دشت خاوراں گر خاریست — آغشتہ بخون عاشق افگاریست
ہر جا کہ پری رخے و گلرخساریست — ما را ہمہ درخور است مشکل کاریست

دشت خاوراں - مراد وادی حسن و عشق -

دشت خاوراں میں جہاں کہیں کانٹا ہے وہ کسی دل فگار عاشق کے خون سے آلودہ ہے۔ عجب مشکل آپڑی ہے کہ جس جگہ کوئی پری چہرہ اور گل رخسار معشوق ہے وہ ہمارے لئے موزوں و مناسب ہے (ہم اسی کو دل دے بیٹھتے ہیں)

(۶۶)

اے دل غم عشق از برائے من و تست — سر بر خط او نہ کہ سزائے من و تست
تو چاشنی درد ندانی ورنہ — یکدم غم دوست خونبہائے من و تست

اے دل! غم عشق میرے اور تیرے ہی لئے ہے۔ لہٰذا اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دے کیونکہ ہمارے لئے یہی سزاوار ہے۔ اے دل! تو درد کی لذت سے آشنا نہیں ورنہ دم بھر کے لئے غم دوست میرے اور تیرے خونبہا کے برابر ہے۔ (خونبہا اس رقم کو کہتے ہیں جو قاتل مقتول کے ورثاء کو ان کی رضامندی کے لئے دیتا ہے)۔

(۶۷)

ناکامیم اے دوست زخودکامی تست — ویں سوختگیہائے من از خامی تست
مگذار کہ در عشق تو رسوا گردم — رسوائی من باعث بدنامی تست

خودکامی - خودغرضی و خودرائی -

اے دوست! میری ناکامی تیری خودغرضی و خودرائی کی وجہ سے ہے اور میرا سوز و گداز تیری خامی کے باعث ہے۔ ایسا نہ کر کہ میں تیرے عشق میں رسوا ہو جاؤں کیونکہ میری رسوائی تیری بدنامی کا سبب ہوگی۔ ع

قیس رسوا تھا تو کیا لیلیٰ کی رسوائی نہ تھی

(۶۸)

بر من در وصل بستہ می دارد دوست — دل را بفراق خستہ می دارد دوست
من بعد من و شکستگی و در دوست — چوں دوست دل شکستہ می دارد دوست

دوست مجھ پر وصل کا دروازہ بند رکھتا ہے اور میرے دل کو اپنے درد فراق سے خستہ رکھتا ہے اس کے بعد میں ہونگا اور شکستگی اور دوست کا دروازہ (یعنی شکستہ خاطر ہو کر دوست کے دروازے پر پڑا رہونگا) کیونکہ دوست دل شکستہ کو پسند کرتا ہے۔

(۶۹)

عشقم کہ بہر رگم غمی پیوند است — دردم کہ دلم بدرد حاجتمند است
صبرم کہ بکام و پنجۂ شیرم ہست — شکرم کہ مدام خرم و خورسند است

میرا عشق دیکھو کہ میری رگ رگ میں غم بھرا ہوا ہے اور میرا درد دیکھو کہ انتہائے درد کے باوجود میرا دل درد کا حاجتمند ہے۔ میرا صبر دیکھو جو کہ میں شیر (عشق) کے پنجہ و حلق میں گھر رہا ہوں اور پھر میرا شکر دیکھو کہ ان تمام مصائب کے باوجود بھی خرم و خورسند ہوں۔ (یہی تسلیم و رضا کا خجستہ مقام ہے) ؎ لمؤلفہ

آب خنجر بھی اسے آب بقا ہوتا ہے — جو کوئی بندۂ تسلیم و رضا ہوتا ہے

(۷۰)
ما کشتۂ عشقیم و جہاں مسلخ ماست — ما بیخور و خوابیم و جہاں مطبخ ماست
مارا نبود ہوائے فردوس از آنکہ — آں چہرۂ آتشین او دوزخ ماست

ہم شہید عشق ہیں اور جہان ہماری شہادت گاہ ہے۔ ہم بے خور و خواب ہیں حالانکہ تمام دنیا ہمارے واسطے باورچی خانہ ہے۔ ہمیں فردوس بریں کی خواہش و آرزو نہیں کیونکہ محبوب کا آتشیں چہرہ ہمارے لئے دوزخ ہے۔

(۷۱)
دل چیست کہ گویم از برائے غم تست — یا آنکہ حریم من سرائے غم تست
لطفی است کہ میکند غمت با دل من — ورنہ دل تنگ من چہ جائے غم تست

دل کی کیا بساط ہے جو میں کہوں کہ تیرے غم کے لئے ہے یا یہ کہ میرا گھر تیرے غم کی سرائے ہے۔ تیرا غم دل پر بھی لطف و عنایت کر رہا ہے ورنہ میرا دل تنگ تیرے غم کے لئے موزوں جگہ نہیں ہے۔

(۷۲)
از کفر سر زلف وے ایماں می ریخت — وز نوش لبش چشمۂ حیواں می ریخت
چوں کبک خرامندہ بصد رعنائی — می رفت و ز سر تا قدمش جاں می ریخت

اس کی زلف سے (جو سراسر کفر ہے) ایمان ٹپکتا تھا۔ اور اس کے لب شیریں سے چشمۂ حیواں ٹپکتا تھا۔ کبک کی طرح خراماں خراماں جا رہا تھا اور اس کے سراپا سے جان ٹپکی پڑتی تھی۔

فارسی شعراء عموماً زلف کو کفر اور چہرے کو ایمان سے تشبیہ دیتے ہیں۔ لہٰذا مصرعہ اوّل سے مراد یہ ہے کہ اس کی سیاہ زلفوں کے نیچے سے اس کا نورانی چہرہ اپنی جھلک دکھا رہا تھا۔

(۷۳)
راہیست ز کعبہ تا بمقصد پیوست — از جانب میخانہ رہے دیگر ہست
اما رہ میخانہ ز آبادانی — راہیست کہ کاسہ میرود دست بدست

راہ کعبہ - زہد و تقویٰ کا راستہ۔ راہ میخانہ - مراد طریق عشق۔ کاسہ - پیالہ شراب۔ کاسہ سے پیالہ کاسۂ سر مراد لینا غلط محض ہے۔

ایک راستہ کعبہ سے منزل مقصود تک جاتا ہے اور میخانہ سے بھی ایک اور راستہ ہے لیکن میخانہ راستہ آبادی کی وجہ سے ایسا ہے کہ اس میں کاسہ ہاتھوں ہاتھ جاتا ہے (یعنی جلدی) جائے مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

---

(۷۴)
عاشق نتواند نفسے بے غم زیست — بے یار و دیار اگر بود خود غم نیست
خوش آنکہ بیک کرشمہ جاں کرد نثار — ہجران و وصال را ندانست کہ چیست

عاشق دم بھر کے لئے غم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ وطن اور یاران وطن کے بغیر اگر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ کس قدر خوش نصیب ہے جس نے ایک کرشمہ (ادا) پر جان قربان کر دی اور اسے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ ہجر کیا ہوتا ہے اور وصال کیا۔ (مطلب یہ کہ عشق صادق ہجر و وصال کی قیود سے بھی بالاتر ہوتا ہے)۔

(۷۵)
آنی کہ ز جانم آرزوئے تو نرفت — از دل ہوس روئے نکوئے تو نرفت
از کوئے تو ہر کہ رفت دل را بگذاشت — کس با دل خویشتن ز کوئے تو نرفت

تو وہی ہے کہ میری جان سے تیری آرزو نہ گئی اور میرے دل سے تیرے روئے زیبا کی ہوس نہ نکلی۔ جو شخص بھی تیرے کوچے سے گیا دل کو وہیں چھوڑ گیا۔ اور کوئی شخص دل لے کر تیرے کوچے سے نہ نکلا۔

(۷۶)
یار آمد و گفت خستہ میدار دلت — دایم بامید بستہ میدار دلت
مارا بشکستگاں نظرہا باشد — مارا خواہی شکستہ میدار دلت

دوست آیا اور کہنے لگا کہ اپنے دل کو شکستہ رکھ اور ہمیشہ اسے امید کے ساتھ وابستہ رکھ۔ ہماری نظر عنایت شکستہ خاطروں ہی پر ہوا کرتی ہے اگر تو ہمارا طلبگار ہے تو اپنے دل کو شکستہ رکھ۔ اقبال مرحوم ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ — کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(۷۷)
ما دل ز غمت شکستہ داریم ای دوست — از غیر تو دیدہ بستہ داریم ای دوست
گفتی کہ بدل شکستگاں نزدیکم — ما نیز دل شکستہ داریم ای دوست

اے دوست! ہم تیرے غم عشق کی وجہ سے دل شکستہ ہو رہے ہیں اور تیرے غیر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ تو خود فرمایا تھا کہ ہم شکستہ دلوں کے قریب ہیں۔ اے دوست! ایک نگاہ لطف ادھر بھی ہو جائے۔ کیونکہ ہم بھی دل شکستہ ہی رکھتے ہیں۔

(۷۸)
راہ تو بہر روش کہ پویند خوشست — کوئے تو بہر جہت کہ جویند خوشست
روئے تو بہر دیدہ کہ بینند نکوست — ذکر تو بہر صفت کہ گویند خوشست

تیرا راستہ جس طریق سے بھی طے کریں بہتر ہے اور تیری گلی جس طرف بھی تلاش کریں خوب ہے تیرے روئے زیبا کو جن آنکھوں سے بھی دیکھیں اچھا ہے اور تیرا ذکر جس صفت سے بھی کریں موزوں و مناسب ہے۔

خواجہ حافظ رحمہ اللہ نے خوب فرمایا ہے ؎

یکے است ترکی و تازی درین معاملہ حافظ　　　حدیث عشق بیان کن بہر زبان کہ تو دانی

(۷۹)

عشق آمد و خاک محنتم بر سر ریخت　　　زاں برق بلا بخرمنم اخگر ریخت
خوں در دل و ریشۂ تنم سوخت چناں　　　کز دیدہ بجائے اشک خاکستر ریخت

حضرت عشق تشریف لائے اور محنت کی خاک میرے سر پر جھاڑ دی (مجھے مصائب و بلیات میں مبتلا کر دیا) اور اس بلا کی بجلی سے میرے کھلیان میں آگ لگا دی میرے دل اور بدن کی رگوں میں خون اس طرح جل گیا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ خاکستر (راکھ) کرنے لگی۔

(۸۰)

ای دوست ای دوست ای دوست ای دوست　　　جور تو ازاں کشم کہ روی تو نکوست
مردم گویند بہشت خواہی یا دوست　　　ای بیخبراں بہشت با دوست نکوست

اے دوست! میں تیرے جور و ستم اس لئے برداشت کرتا ہوں کہ تو خوبرو ہے لوگ سوال کرتے ہیں کہ تو جنت چاہتا ہے یا دوست کا آرزومند ہے۔ اے بیخبرو! بہشت دوست کے ساتھ ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ غالبؒ ؎

جنت کو ہم نہ روئیں جو ذوق نظر ملے　　　حوران خلد میں تری صورت مگر ملے

(۸۱)

پرسید ز من کسی کہ جانان تو کیست　　　گفتم کہ فلاں کس است مقصود تو چیست
بنشست بہائے ہائے بر من بگریست　　　کز دست چنیں کسی چساں خواہی زیست

مجھ سے کسی نے دریافت کیا کہ تیرا محبوب کون ہے میں نے کہا کہ فلاں شخص، تیرا اس سوال سے کیا مقصد؟ وہ (یہ سن کر) بیٹھ گیا اور باآواز بلند میری حالت پر رونے لگا کہ ایسے شخص کے ہاتھ سے تو کس طرح زندہ رہے گا۔

مشرقی شاعری میں معشوق کو جور و جفا اور ظلم و ستم کا مجسمہ قرار دیا گیا ہے۔ شعراء اکثر جلاد، قاتل، ظالم جفاجو وغیرہ الفاظ استعمال اور ان سے مراد محض معشوق کی ذات لیتے ہیں۔ حضرت ابو سعید رحمہ اللہ نے بھی اس رباعی میں محبوب کے انتہائے جور و ستم کی تصویر کھینچی ہے۔

(۸۲)

عصیان خلائق ارچہ صحرا صحرا است　　　در پیش عنایت تو یک برگ گیا است
ہر چند گناہ ماست کشتی کشتی　　　غم نیست کہ رحمت تو دریا دریا است

صحرا صحرا - کشتی کشتی - دریا دریا - میں تکرار کثرت و افراط کو ظاہر کرتی ہے۔

اگرچہ مخلوق کے گناہ صحرا صحرا ہیں مگر تیری عنایت کے سامنے ان کی حقیقت ایک برگ گیاہ سے زیادہ نہیں

اگرچہ ہمارے گناہ کشتی کشتی ہیں مگر کچھ غم نہیں کیونکہ تیری رحمت بھی دریا دریا (بہت وسیع) ہے۔

(۸۳)

چوں حاصل عمر تو فریبی و دمی است　　　فریاد مکن گرت بہر دم ستمی است
مغرور مشو بخود کہ اصل من و تو　　　گردی و شراری و نسیمی و نمی است

دم - مراد فنا - گرد و شرار و نسیم و نم - مراد عناصر اربعہ

جب تیری زندگی کا حاصل ہی فریب و فنا ہے تو اگر تجھے ہر وقت ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑے تو بھی فریاد نہ کر۔ تو اپنی ذات پر مغرور نہ ہو کیونکہ ہم دونوں آتش و آب و خاک و باد (عناصر چارگانہ) سے مرکب ہیں اور ہمارے جوہر میں کوئی فرق نہیں۔ یا یہ کہ جس کا وجود عناصر اربعہ کے حقیر اجزا سے مرکب ہو اس کے لئے غرور سزاوار نہیں۔

(۸۴)

از گل طبقی نہادہ کیں روئی منست　　　وز مشک خطی کشیدہ کیں موئی منست
صد نافہ بباد دادہ کیں بوئی منست　　　آتش بجہاں در زدہ کیں خوئی منست

(محبوب نے) پھولوں کا ایک طبق بھر رکھا ہے کہ یہ میرا چہرہ ہے اور مشک کی ایک لکیر کھینچ رکھی ہے کہ یہ میرے بال ہیں سینکڑوں نافے برباد کر رکھے ہیں کہ یہ میری بو ہے اور جہان بھر میں آگ لگا رکھی ہے کہ یہ میری عادت ہے۔

(۸۵)

دائم نہ لوائے عشرت افراشتنی است　　　پیوستہ نہ تخم خرمی کاشتنی است
ایں داشتنی ہا ہمہ بگذاشتنی است　　　جز روز روئے کہ نگہداشتنی است

عیش و عشرت کا جھنڈا ہمیشہ نہیں کیا جا سکتا اور خوشی کا بیج ہمیشہ نہیں بویا جا سکتا۔

تمام اشیاء جو ہم نے جمع کر رکھی ہیں چھوڑنے کے لائق ہیں روز رفتن (مرگ) کے جو قابل نگہداشت ہے مطلب یہ ہے ؎ کیوں اتنا گرانبار ہے جو زادِ سفر بھی　　اے راہرو ملک عدم اٹھ نہیں سکتا۔

پس ان کو چاہئے کہ دنیا کے اموال و اسباب اور عیش و عشرت سے روگردانی کر کے ہمہ تن فکر آخرت

(۸۶)

از بار گنہ شد تن مسکینم پست　　　یارب چہ شود اگر مرا گیری دست
گر در عملم آنچہ ترا شاید نیست　　　اندر کرمت آنچہ مرا باید ہست

گناہ کے بوجھ سے میرا مسکین جسم پست ہو گیا۔ اے خدا کونسی بڑی بات ہے اگر تو میری دستگیری کرے۔

اگر میرے اعمال میں وہ چیز نہیں ہے جو تیرے لئے سزاوار ہے (یعنی اعمال صالحہ) تو نہ سہی۔ جس چیز کا میں

حاجتمند ہوں وہ تو تیری رحمت میں موجود ہے۔ (یعنی عفو و مغفرت)۔

(۸۷) ایزد کہ جہاں بقبضۂ قدرت اوست — داداست ترا دو چیز کاں ہر دو نکوست
ہم سیرت آنکہ دوستداری ہمہ کس — ہم صورت آنکہ کس ترا دارد دوست

ذات باری عز اسمہٗ نے جس کے قبضۂ قدرت میں تمام جہاں ہے، تجھے دو چیزیں عنایت فرمائی ہیں اور دونوں خوب ہیں۔ ایک حسن سیرت جس کی وجہ سے تو ہر ایک سے محبت رکھتا ہے اور دوسرے خوبی صورت جس کی بدولت ہر شخص تجھے عزیز رکھتا ہے۔

(۸۸) شیریں دہنی کہ از لبش جاں میریخت — کفرش ز سر زلف پریشاں میریخت
گر شیخ بکفر زلف او رہ مے برد — خاک رہ بت بر سر ایماں میریخت

وہ ایسا شیریں دہن ہے کہ اس کے لبوں سے جان (آبحیات) ٹپکتی اور اس کی پراگندہ زلفوں سے کفر ٹپکتا تھا۔ اگر شیخ کو اس کے کفر زلف کا راستہ مل جاتا تو بت (محبوب) کی خاک راہ ایمان کے سر پر ڈال دیتا۔

(۸۹) آں آتش سوزندہ کہ عشقش لقب است — در پیکر کفر و دیں چو سوزندہ تپ است
ایماں دگر و کیش محبت دگر است — پیغمبر عشق نہ عجم نہ عرب است

وہ جلانے والی آگ جس کا لقب عشق ہے۔ کفر و دین کے جسم میں تپ محرقہ کی مانند ہے۔ ایمان اور چیز ہے اور مذہب عشق و محبت اور شے ہے۔ پیغمبر عشق نہ عجم ہے اور نہ عرب۔ (یعنی عشق رنگ و نسب اور ملک و ملت کی قیود سے بالاتر ہے)۔

(۹۰) در عالم اگر فلک اگر ماہ و خور است — از بادۂ ہستی تو پیمانہ خور است
فارغ ز جہانی و جہاں غیر تو نیست — بیروں ز مکانی و مکاں از تو پر است

دنیا میں خواہ آسمان ہے یا ماہ و خورشید (تمام) تیری ہی شراب ہستی سے ساغر کش ہیں۔ تو جہان سے علاحدہ ہے اور جہاں تیرا غیر بھی نہیں ہے۔ تو مکان سے باہر ہے اور مکان تجھ سے بھرا ہوا ہے۔

مطلب یہ کہ عالم امکان کا ذرہ ذرہ تیری ہی ذات واجب الوجود سے مستفید ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا اور یہاں کی ہر شے تیری ہی ہستی سے قائم ہے۔ اگرچہ تیری ذات زمان و مکاں کی قیود سے بالاتر ہے مگر کوئی [illegible] کوئی مکاں تجھ سے خالی بھی نہیں۔ غالب ؎

ہے تجلی تری سامان وجود — ذرہ بے پرتو خورشید نہیں

(۹۱) نرد یست جہاں کہ بردنش باختن است — نرادی او ز نقش کم ساختن است
دنیا بمثال کعبتین نرد یست — برداشتنش برائے انداختن است

جہان ایک ایسی بازی ہے کہ جس کا جیتنا ہارنے کے مترادف ہے۔ پس بڑا کھلاڑی وہی ہے جو اس نقش کے ساتھ زیادہ وابستگی نہیں رکھتا۔ دنیا کعبتین نرد کی مانند ہے جس کو اٹھانا پھینکنے ہی کے لئے ہے۔

(۹۲) دردا کہ دریں سوز و گدازم کس نیست — ہمراہ دریں راہ درازم کس نیست
در قعر دلم جواہر راز بسی است — اما چہ کنم محرم رازم کس نیست

افسوس کہ اس سوز و گداز میں میرا کوئی مونس و غمخوار نہیں ہے اور اس دور دراز سفر میں میرا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ میرے دل کی گہرائیوں میں جواہر راز بے شمار ہیں مگر کیا کروں کہ محرم راز کوئی نہیں ہے۔

(۹۳) ہاں تا تو نہ بندی بعنایاتش پشت — کو با گل نرم پرورد خار درشت
ہاں تا نشوی غرۂ بدریائے کرم — کو بر لب بحر تشنہ بسیار بکشت

خبردار! کہیں ایسا نہ ہو کہ تو اس کی عنایات پر بھروسہ کر بیٹھے اس خیال سے کہ وہ نرم و نازک پھول کے ساتھ سخت کانٹے کی بھی پرورش کرتا ہے۔ خبردار کہیں اس کے دریائے کرم پر مغرور نہ ہونا کیونکہ اس نے اکثر لوگوں کو لب دریا تشنہ کام مار دیا ہے۔

مطلب یہ کہ محض باریتعالیٰ کی عنایت پر بھروسہ کر کے دیدہ و دانستہ گناہوں کا ارتکاب کرنا قرین صواب نہیں بیشک اس کی ذات غفور و رحیم ہے مگر اس نے انسان کو فاعل مختار بنایا ہے اور عقل و تمیز کی قوت اسے مرحمت فرمائی ہے کہ نیک و بد اور سفید و سیاہ میں امتیاز کر سکے۔ پس اسے حتی الوسع اعمال سیئہ سے احتراز کرنا چاہیے۔

(۹۴) دی گیسوئے عنبرین عنبر سایت — از طرف بناگوش سمن سیمایت
افتادہ بپائے تو بزاری می گفت — سرتاپایم فدائے سرتاپایت

کل رات تیری زلف معطر جو عنبر کی مانند خوشبودار ہے۔ تیرے کان کی لو کی طرف سے جو چنبیلی جیسی ہے۔ تیرے قدموں پر گر کر اور رو رو کر کہہ رہی تھی کہ میرا سراپا تیرے سراپا پر قربان ہے۔

(۹۵) اے خالق خلق رہنمائے بفرست — وے رازق رزق در کشائے بفرست
کار من بیچارہ گرہ در گرہ است — رحمے بکن و گرہ کشائے بفرست

گرہ در گرہ۔ الجھا ہوا۔ گرہ کشا۔ عقدہ کشا۔ مشکلکشا۔

اے مخلوق کے خالق! کوئی رہنما بھیج دے اور اے رزق دینے والے! کوئی دروازہ کھولنے والا بھیج دے مجھ مسکین کا کام نہایت پیچ در پیچ ہو رہا ہے تو رحم فرما اور کوئی مشکل کشا بھیج دے۔

(۹۶)
دنیا بجوے وفا ندارد ای دوست   ہر لحظہ ہزار مغز سرگشتۂ اوست
می داں کہ خدائے دشمنش مے دارد   گر دشمن حق نہ چرا داری دوست

اے عزیز! دنیا ایک جو برابر بھی وفا نہیں رکھتی۔ پھر بھی ہزاروں دماغ اس کے لئے ہر لحظہ سرگشتہ و پریشان ہیں (یعنی اس کی فکر میں الجھے ہوئے ہیں)۔ تو اس حقیقت کو جان لے کہ خداوند تعالیٰ اس (دنیا) کو دشمن رکھتا ہے۔ اگر تو دشمن حق نہیں ہے تو پھر اس دنیا سے کیوں محبت رکھتا ہے۔

(۹۷)
گردوں کمرے ز عمر فرسودۂ ماست   دریا اثرے ز اشک آلودۂ ماست
دوزخ شررے ز رنج بیہودۂ ماست   فردوس دمی ز وقت آسودۂ ماست

آسمان (اپنی خمیدگی کے باعث) ہماری کمر کی مانند ہے جس کو تقاضائے سن و سال نے فرسودہ و خمیدہ کر دیا ہے۔ اور دریا (با ایں ہمہ وسعت) ہمارے آنسوؤں کا ایک نمونہ ہے۔ دوزخ ہمارے رنج بیہودہ (بے نتیجہ کد و کاوش) کا ایک شرارہ ہے اور جنت (با ایں ہمہ لطافت) ہمارے آسودگی و آسائش کے وقت کا ایک لمحہ ہے۔

(۹۸)
از کار کسے قرار می باید ہست   ویں یار کہ در کنار می باید ہست
ہجرے کہ بہیچ کار می ناید ہست   وصلے کہ چو جاں بکار می باید ہست

کسی (محبوب) کے معاملات سے قرار و اطمینان چاہئے سو وہ میسر ہے اور محبوب جو بغل میں ہونا چاہئے وہ بھی موجود ہے۔ ہجر جو کسی کام نہیں آتا وہ بھی ہے اور وصال جو جان کی طرح کار آمد ہے وہ بھی حاصل ہے۔

اس رباعی کے دوسرے شعر میں دو متضاد امور کو جمع کیا گیا ہے بادی النظر میں بیک وقت ہجر و وصال کا اجتماع غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔ امید کہ خاکسار کا یہ شعر اس کی وضاحت کے لئے کافی ہوگا ؎

ساتھ رہ کر بھی رہا مجھ سے جدا وہ دلربا   کار آساں مرا آساں نہ ہوا پر نہ ہوا

بعض نسخوں میں مصرعہ سوم میں "ہست" کی بجائے "نیست" مرقوم ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہجر جیسی درد خیز اور مصیبت زا چیز مفقود ہے اور عیش و عشرت کے تمام سامان موجود ہیں۔

(۹۹)
گبریست دریں وہم کہ پنہانی نیست   برداشتن سرم بآسانی نیست
ایمانش ہزار دفعہ تلقیں کردم   ایں کافر را سر مسلمانی نیست

اس وہم میں ایک گبر ہے جو پوشیدہ نہیں ہے اور اس وہم کو دور کرنا بھی کچھ آسان کام نہیں ہے میں نے ہزار مرتبہ اس کو ایمان کی تلقین کی مگر اس کافر کو مسلمانی کا خیال تک نہیں ہے۔

گبر سے مراد جذبۂ عشق ہے جس کی بدولت عاشق ہر وقت شاہد حقیقی کی تجلیات کے مشاہدہ میں محو و مستغرق رہتا ہے۔ چونکہ اسی عالم محویت و استغراق میں وہ اکثر ایسے امور کا مرتکب ہو جاتا ہے جن کو اہل ظاہر خلاف شریعت پر محمول کرتے ہیں (اگرچہ ان حقائق کے ادراک سے خود قاصر ہوتے ہیں) لہٰذا اس کو کافر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ نفس الامر میں یہی کفر رشک مسلمانی ہے۔ داغؔ ہی سے ؎

جو ترے عشق میں قرباں نہ ہوا پر نہ ہوا   ہے وہ کافر کہ مسلماں نہ ہوا پر نہ ہوا

(۱۰۰)
آں روز کہ آتش محبت افروخت   عاشق روش عشق ز معشوق آموخت
از جانب دوست سر زد ایں سوز و گداز   تا در نگرفت شمع پروانہ نسوخت

جس روز محبت کی آگ روشن ہوئی۔ عشق کا طرز عاشق نے معشوق سے سیکھا۔ پہلے معشوق کی طرف سے یہ سوز و گداز ظاہر ہوا۔ جب تک شمع روشن نہ ہوئی پروانہ اس پر جلنے کے لئے نہ آیا ؎

عشق اول در دل معشوق پیدا مے شود   تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا مے شود

(۱۰۱)
می رفتم و خون دل براہم می ریخت   دوزخ دوزخ شررز آہم می ریخت
من آمدم از شوق بر گلشن کون   دامن دامن گل از کنارم می ریخت

میں جا رہا تھا اور میرا خون دل راستے میں ٹپکتا جاتا تھا اور میری آہ سے بے انتہا شرارے نکل رہے تھے۔ میں گلزار وجود میں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ایسی حالت میں آیا کہ میری بغل سے بافراط پھول برس رہے تھے۔ دنیا میں آنے اور دنیا سے جانے (پیدائش و موت) کی تصویر اس سے بہتر الفاظ میں متصور نہیں ہو سکتی)۔

(۱۰۲)
از باد صبا دلم چو بوئے تو گرفت   بگذاشت مرا و جستجوئے تو گرفت
اکنوں ز منش ہیچ نمے آید یاد   بوئے تو گرفتہ بود خوئے تو گرفت

میرے دل نے باد صبا سے جب تیری بو سونگھی تو مجھ کو چھوڑ کر تیری جستجو میں محو ہو گیا۔ اب اسے کبھی میری یاد نہیں آتی۔ پہلے تو اس نے تیری بو ہی سونگھی تھی اب تیری عادت و خو بھی اختیار کر لی۔

(۱۰۳)
ہر چند آدمی ملک سیرت و خوست   بدگر نبود بدشمن خود نیکوست
دیوانہ دل است کیں عادت اوست   کو دشمن جان خویش میدارد دوست

دیوانہ۔ دیوانہ سے "دیوانۂ فرزانہ" یا "دیوانہ بکار خویش ہشیار" مراد ہے۔

ہر چند آدمی ملک سیرت اور فرشتہ خو ہے اگر وہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی بدسلوک نہ ہو تو بہتر ہے

میرا دل دیوانہ ہے کیونکہ اس کی یہ عادت ہے کہ اپنے دشمن جان کو بھی عزیز رکھتا ہے۔

سعادت ابدی کا راز صلح کل اور محبت کل میں پوشیدہ ہے لہٰذا آدمی کو اپنے دشمن جان کے ساتھ بھی

حسن سلوک سے پیش آنا چاہئے

دل طفلک خاک بیز غربال بدست ‌ ‌ ‌ میزد بدو دست روئے خود را میخست
میگفت بہائے ہائے افسوس و دریغ ‌ ‌ ‌ ریگے بہ نیافتیم و غربال شکست

بیز۔ از بیختن مصدر چھاننا۔ غربال۔ چھلنی۔ دو دست۔ مراد دو ہتڑ۔

دل (جو اس لڑکے کی مانند ہے کہ ہاتھ میں چھلنی لئے خاک چھان رہا ہو۔ یعنی دنیائے فانی کی بیہودہ و بے نتیجہ

جدوجہد میں ہمہ تن معروف ہے) اپنے چہرے پر دو ہتڑ مار رہا تھا اور اسے نوچ رہا تھا اور واویلا اور فریاد و زاری

کرکے کہہ رہا تھا کہ ہزار حیف اریت تو میں حاصل نہ کرسکا اور چھلنی ٹوٹ گئی۔ (یعنی مدت زندگی ختم ہوگئی) ع

وائے نادانی! کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا ‌ ‌ ‌ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اندر ہمہ دشت خاوراں سنگے نیست ‌ ‌ ‌ کش با من و روزگار من جنگے نیست
بالطف و نوازش وصال تو مرا ‌ ‌ ‌ در دادن صد ہزار جاں ننگے نیست

تمام دشت خاوراں میں کوئی پتھر ایسا نہیں جس کو مجھ سے اور میرے روزگار سے عداوت نہ ہو (یعنی ہر پتھر

میرا سر پھوڑنے کے لئے موجود ہے) تیرے وصال کی لطف و نوازش کے عوض مجھے لاکھوں جانیں دینے سے بھی دریغ

نہیں۔

مطلب یہ کہ حسن و عشق کی وادی سراسر مصائب و بلیات سے پر ہے لیکن عاشق وصال محبوب کی خاطر جان تک

قربان کر دینے سے دریغ نہیں کرتا۔

سرتاسر دشت خاوراں سنگے نیست ‌ ‌ ‌ کز خون دل و دیدہ بر آں رنگے نیست
در ہیچ زمین و ہیچ فرسنگے نیست ‌ ‌ ‌ کز دست غمت نشستہ دل تنگے نیست

تمام دشت خاوراں میں کوئی پتھر ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی عاشق جانفروش کے دل اور آنکھوں کے

خون سے رنگین نہ ہو۔ اور کوئی ملک اور کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں تیرے غم عشق کے ہاتھوں کوئی غمگین و دل تنگ

موجود نہ ہو۔ (یعنی جہاں بھی جاؤ اس کے تیر عشق کے گھائل مل جائیں گے) ع

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں ‌ ‌ ‌ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

(۱۰۷) تیرے ز کماں خانہ ابروئے تو جست ‌ ‌ ‌ دل پر تو وصل را خیالی مے بست
خوش خوش ز دلم گذشت و میگفت بناز ‌ ‌ ‌ با پہلوئے چوں توئی نخواہیم نشست

تیرے ابرو کے کمان خانہ سے ایک تیر نکلا ایسی حالت میں کہ دل تیرے وصل کے منصوبے باندھ رہا تھا وہ

خوشی خوشی میرے دل سے گزر گیا اور ناز سے کہنے لگا کہ ہم تیرے جیسے کے پہلو میں نہیں بیٹھیں گے۔

(۱۰۸) صد شکر کہ گلشن شفا گشت تنت ‌ ‌ ‌ صحت گل عیش ریخت در پیراہنت
تپ را بغلط در تنت افتاد گذار ‌ ‌ ‌ منت کہ عرق شد و چکید از بدنت

ہزار ہزار شکر ہے کہ تیرا جسم گلشن شفا بن گیا اور تندرستی نے عیش و نشاط کے پھول تیرے لباس میں ڈال

دئے۔ بخار غلطی سے تیرے بدن کی طرف آگیا تھا۔ الحمدللہ کہ پسینہ بن کر تیرے جسم سے ٹپک گیا۔

(۱۰۹) پیہ در گاؤ است و گاؤ در کہسار است ‌ ‌ ‌ ماہی سریشمی بدریا بار است
بز در کوہ ست یوز در بلغار است ‌ ‌ ‌ زہ کردن ایں کماں بسی دشوار است

پیہ۔ چربی۔ یوز۔ چیتا۔ زہ کردن۔ چلہ چڑھانا۔

چربی گاؤ میں ہے اور گائے کہسار میں۔ سریشم والی مچھلی دریا کے اندر ہے۔ بکری پہاڑ پہ ہے اور چیتا بلغار

میں۔ مگر اس کمان کو زہ کرنا بہت دشوار ہے۔

مطلب یہ کہ حصول مقصد کے تمام اسباب مہیا ہیں۔ جانور بھی موجود ہیں اور ان میں چربی بھی ہے اور کمان

بھی حاضر ہے مگر ان اسباب سے کما حقہ مستفید ہونے کے لئے "ہمت مردانہ" چاہئے۔

(۱۱۰) آں یار کہ عہد دوستداری بشکست ‌ ‌ ‌ میرفت و منش گرفتہ دامن در دست
می گفت کہ بعد ازیں بخوابم بینی ‌ ‌ ‌ پنداشت کہ بعد ازیں مرا خوابے ہست

وہ یار جس نے دوستی کے عہد و پیمان کو توڑ دیا تھا۔ چلا جاتا تھا اور میں اس کا دامن ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا

وہ کہتا تھا کہ اس کے بعد تم مجھے خواب میں دیکھو گے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کے بعد مجھے نیند بھی آئے گی۔

(۱۱۱) مجنون تو کوہ را ز صحرا نشناخت ‌ ‌ ‌ دیوانۂ عشق تو سر از پا نشناخت
ہر کس بتو رہ یافت ز خود گم گردید ‌ ‌ ‌ آنکس کہ ترا شناخت خود را نشناخت

۔تیرا مجنوں کوہ اور صحرا میں فرق نہ کر سکا اور تیرے دیوانۂ عشق نے سر اور پاؤں میں تمیز نہ کی۔ جو شخص تیری کنہ ذات سے آگاہ ہو گیا اس نے اپنی خودی کو گم کر دیا اور جس کو تیری معرفت حاصل ہو گئی وہ اپنی ہستی کو نہ پہچان سکا۔ سعدی ؎

این مدعیان در طلبش بے خبرانند   آنرا کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد

(۱۱۲)

گر کار تو نیکوست بہ تدبیر تو نیست   ور نیز بدست ہم ز تقصیر تو نیست

تسلیم و رضا پیشہ کن و شاد بزی   چوں نیک و بد جہاں بہ تقدیر تو نیست

اگر تیرا کام درست ہے تو تیری تدبیر کی وجہ سے نہیں ہے اور اگر برا ہے تو بھی تیرا قصور نہیں ہے۔ تو تسلیم و رضا کا پیشہ اختیار کر اور خوش رہ کیونکہ دنیا کے نیک و بد تیرے قبضۂ قدرت میں نہیں ہیں ؎

رضا بدادہ بدہ وز جبیں گرہ بکشا   کہ بر من و تو در اختیار نکشاد است

(۱۱۳)

غازی کہ پئے شہادت اندر تگ و پوست   غافل کہ شہید عشق فاضل تر ازوست

فردائے قیامت او بدیں کے ماند   آں کشتۂ دشمن است ایں کشتۂ دوست

غازی جو شہادت کے لئے جدوجہد کر رہا ہے اس حقیقت سے نا آشنا ہے کہ شہید عشق کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے۔ کل قیامت کے دن وہ (غازی) اس (شہید عشق) کی برابری کب کر سکتا ہے کیونکہ اول الذکر دشمن کا مارا ہوا ہے اور ثانی الذکر دوست کی تیغ ناز کا شہید ہے۔

(۱۱۴)

اے در تو عیانہا و نہانہا ہمہ ہیچ   پندار یقیں ہا و گمانہا ہمہ ہیچ

از ذات تو مطلقاً نشاں نتواں داد   کانجا کہ توئی بود نشانہا ہمہ ہیچ

اے وہ ذات جس کے سامنے تمام موجودات و مخفیات ہیچ ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عالم تخیل میں یقین اور گمان بھی تیرے روبرو کوئی چیز نہیں ہیں۔ تیری ذات کا نشان ہرگز نہیں مل سکتا کیونکہ جہاں تو ہے وہاں تمام نشان ہیچ ہیں

ہماری عقل محسوسات کے کماحقہٗ ادراک سے بھی قاصر ہے پھر ذات باری کی کنہ و حقیقت کو کیسے معلوم کر سکتی ہے۔ پس غایت ادراک عقول بشری یہ ہے کہ ان صفات اضافیہ کا ادراک کریں جن کا ممکنات سے تعلق ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ کہ تفکروا فی صفاتہ ولا تفکروا فی ذاتہ۔ (یعنی اس کی صفات میں فکر و غوض کرو مگر اس کی ذات میں فکر نہ کرو)۔ محمود شبستری گلشن راز میں رقمطراز ہیں ؎

از ہر چہ بگفتند از کم و بیش   نشانے دادہ اند از دیدۂ خویش

منزہ ذاتش از چند و چہ و چوں   تعالیٰ شانہٗ عما یقولون

(۱۱۵)

اے با رخ تو انوار مہ و خور ہمہ ہیچ   با لعل تو سلسبیل و کوثر ہمہ ہیچ

بودم ہمہ بیں چو تیز بیں شد چشمم   دیدم کہ ہمہ توئی و دیگر ہمہ ہیچ

اے وہ ذات جس کے چہرے کے روبرو مہر و ماہ کی روشنی ہیچ ہے اور جس کے لب کے مقابل کوثر و سلسبیل کچھ چیز نہیں۔ میں ہمہ بیں تھا (یعنی میری نظر وحدت بحت کے مشاہدہ کے بجائے عالم کثرت میں الجھی ہوئی تھی) لیکن جب میری نگاہیں تیز بیں ہوئیں (یعنی تعینات کے پردے میری نگاہوں سے اٹھ گئے) تو میں نے دیکھا کہ محض تو ہی تو ہے اور تیرے سوا سب کچھ ہیچ ہے۔

(۱۱۶)

رخسارۂ من تازہ گل گلشن روح   نازک بود آں قدر کہ ہر شام و صبوح

نزدیک بدیدہ گر خیالش گزرد   از سایۂ خار دیدہ گردد مجروح

خار دیدہ۔ مژگاں۔ آنکھوں کی پلکیں۔

میرا رخسار جو گلشن روح کا تازہ پھول ہے اس قدر نازک ہے کہ اگر صبح و شام (کسی وقت) آنکھ کے نزدیک اس کا خیال آجائے تو وہ (رخسار) پلکوں کے سائے ہی سے مجروح ہو جاتا ہے۔

میرے خیال میں "رخسارۂ من" کے بجائے "رخسارۂ آں" زیادہ موزوں ہے۔ اس صورت میں "تازہ گل گلشن روح" سے "نگار تازہ خیز (نوخیز معشوق)" مراد ہوگا۔

رباعیات حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمہ اللہ کے جس قدر مطبوعہ نسخے میری نظر سے گزرے ہیں وہ تمام کتابت کی اغلاط سے پر ہیں۔ بلکہ حرف بحرف ایک دوسرے کی نقل معلوم ہوتے ہیں۔ نہایت افسوس کا مقام ہے شارحین میں سے کسی نے ان کی تصحیح میں تلاش و جستجو سے کام نہیں لیا بلکہ حتی الموسع ان اغلاط کو معنی خیز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے ان رباعیات کو لفظی اغلاط سے پاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا ان کی تصحیح و تنقیح میں پوری کدو کاوش اور تحقیق و تفحص سے کام لیا ہے۔ امید ہے کہ یہ نسخہ متن کے لحاظ سے صحیح ترین نسخہ ہوگا۔ (رازی عفی عنہ)

(۱۱۷)

در وصل ز اندیشۂ دوری فریاد   در ہجر ز درد ناصبوری فریاد

افسوس ز محرومی دیدار افسوس   فریاد ز درد ناصبوری فریاد

وصل میں ہجر کے خوف سے فریاد ہے اور ہجر و درد ناشکیبائی کی وجہ سے فریاد ہے۔ حاصل دیدار کے باعث ہزار افسوس ہے اور درد ناصبوری کے ہاتھوں سخت فریاد ہے۔

(۱۱۸)

دل از نظر تو جاودانی گردد　　غم با الم تو شادمانی گردد
گر باد بدوزخ برد از کوئے تو خاک　　آتش ہمہ آب زندگانی گردد

دل تیری نظر عنایت سے جاودانی زندگی حاصل کر لیتا ہے اور غم تیرے الم عشق کی موجودگی میں سراسر مسرت و شادمانی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر ہوا تیرے کوچہ کی خاک دوزخ میں لے جائے تو اس کی تاثیر سے تمام آتش دوزخ آب حیات بن جائے۔

(۱۱۹)

طالع سر عافیت فروشی دارد　　ہمت ہوس پلاس پوشی دارد
اینجا کہ بیک سوال بخشند دو کون　　استغنایم سر خموشی دارد

میرے طالع (بخت) کو عافیت فروشی کا خیال ہے اور ہمت درویشانہ کا تقاضا ہے کہ ٹاٹ کا لباس (لباس فقرا) پہنے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ایک سوال پر دونوں جہان بخش دیتے ہیں۔ لیکن میرا استغنا (بے نیازی و بے پروائی) خموشی کا آرزو مند ہے (یعنی سوال کرنا نہیں چاہتا۔

(۱۲۰)

ایں گنبد گبر از کجا پیدا شد　　ویں صورت قبر از کجا پیدا شد
خورشید مراد چشم من پنہاں کرد　　ایں لکہ ابر از کجا پیدا شد

یہ بالائی گنبد (نفس امارہ) کہاں سے پیدا ہو گیا اور یہ قبر کی صورت کہاں سے ہویدا ہو گئی۔ اس نے تو میری نظروں سے میرے آفتاب کو اوجھل کر دیا یہ بادل کا ٹکڑا (حجاب و مانع) کہاں سے پیدا ہو گیا۔

(۱۲۱)

آں دشمن دوست بود دیدی کہ چہ کرد　　تا اینکہ بغور او رسیدی کہ چہ کرد
می گفت ہماں کنم کہ خواہد دل تو　　دیدی کہ چہ میگفت و شنیدی کہ چہ کرد

وہ دوست کا دشمن تھا تو نے دیکھا کہ اس نے کیا کیا۔ اور تو نے اس معاملہ میں غور بھی کیا کہ اس نے کیا کیا۔ کہتا تو یہ تھا کہ میں تیری آرزو کے مطابق کام کروں گا تو نے دیکھا کہ وہ کیا کہتا تھا اور تو نے سنا کہ اس نے کیا کیا (یعنی تو نے اس کے قول و فعل کو دیکھ لیا کہ ان میں کس قدر تباین و اختلاف ہے)۔

(۱۲۲)

زاں خوبتری کہ کس خیال تو کند　　یا ہیچ منی فکر حال تو کند
شاید کہ بآفرینش خود نازد　　ایزد کہ تماشائے جمال تو کند

تیرا حسن اس سے بالاتر ہے کہ تخیل انسانی اس کے لئے کوئی معیار قائم کر سکے یا کوئی مجھ جیسا آدمی تیری تیری عظمت و شان کا تصور جائے۔ اگر خداوند تعالیٰ تیرے جمال کو دیکھ کر اپنی آفرینش پہ خود ہی ناز کرے تو جائے تعجب نہیں۔

(۱۲۳)

عاشق کہ تواضع نماید چہ کند　　شبہا کہ بکوئے تو نیاید چہ کند
گر بوسہ دہد زلف ترا رنجہ مشو　　دیوانہ کہ زنجیر نخاید چہ کند

عاشق اگر فروتنی نہ کرے تو کیا کرے۔ اور راتوں کو تیرے کوچہ میں نہ آئے تو کیا کرے۔ اگر وہ تیری زلف کو بوسہ دیتا ہے تو رنجیدہ نہ ہو۔ کیونکہ دیوانہ زنجیر نہ چبائے تو کیا کرے۔

(۱۲۴)

مردان خدا ز خاکدان دگر اند　　مرغان ہوا ز آشیان دگر اند
منگر تو ازیں چشم بدیشاں کایشاں　　فارغ ز دو کون و در مکان دگر اند

مردان خدا کسی اور ہی سرزمین کے رہنے والے ہیں اور ان ہوا میں اڑنے والے پرندوں کا آشیانہ اور ہی ہے۔ تو ان (ظاہری) آنکھوں سے ان کو نہ دیکھ کیونکہ وہ دونوں جہان سے فارغ اور آزاد اور ایک دوسرے ہی مکان کے مکین ہیں۔

(۱۲۵)

زاں پیش کہ طاق چرخ اعلیٰ زدہ اند　　ویں بارگہ سپہر مینا زدہ اند
ما در عدم آباد ازل خوش خفتہ　　بے ما رقم عشق تو برما زدہ اند

اس چرخ بلند اور اس فلک مینائی کی بارگاہ کی تعمیر سے پہلے ہم ازل کے عدم آباد میں میٹھی نیند سو رہے تھے۔ ہماری غیر موجودگی ہی میں تیرا عشق ہماری قسمت میں لکھ دیا گیا تھا۔

(۱۲۶)

اے باد بخاک مصطفائیت سوگند　　باراں بہ علیؓ مرتضائیت سوگند
افزودہ بگریہ خلق بس کن بس کن　　دریا بہ شہید کربلائیت سوگند

اے ہوا تجھ کو حضرت محمد مصطفےٰ (صلعم) کے روضۂ مبارک کی قسم اور اے مینہ! تجھ کو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی قسم۔ خلق خدا گریہ و زاری کر رہی ہے۔ اب صبر کر دار اے دریا! تجھ کو شہید کربلا (امام حسینؓ) کی قسم۔ تو رک جا اور آگے نہ بڑھ۔

(۱۲۷)

اوّل کہ دلم عشق نگارم بربود　　ہمسایہ من ز نالہ من نغنود
اکنوں کم شد چو نالہ دردم بفزود　　آتش چو ہمہ گرفت کم گردد دود

اوّل اوّل جب میرے دل میں محبوب کا عشق پیدا ہوا تو میرے نالہ و فریاد کی وجہ سے میرے ہمسایہ کو نیند نہ آتی تھی۔ اب نالہ و فریاد کم ہو گیا ہے تو میرا درد بڑھ گیا ہے۔ سچ ہے جب آگ اچھی طرح بھڑک اٹھتی ہے تو دھواں کم ہو جاتا ہے۔

(۱۲۸)
اوّل رخ خود بما نبایست نمود | تا آتش ما جائے دگر کرد دُود
اکنوں کہ نمودی و ربودی دل ما | ناچار ترا دلبر ما باید بود

مناسب تو یہ تھا کہ پہلے ہی ہمیں اپنا روئے زیبا نہ دکھاتے تاکہ ہماری آتش محبت کسی اور جگہ بھڑک اٹھتی۔ لیکن اب جبکہ دیدار دکھا کر ہمارا دل چھین لیا ہے تو ناچار تم کو ہمارا محبوب دلبر ہو کر رہنا چاہیے۔

(۱۲۹)
ہرگز دلم از یاد تو غافل نشود | گر جاں برود مہر تو از دل نشود
افتاد ز روئے تو در آئینۂ دل | عکسے کہ بہیچ وجہ زائل نشود

میرا دل تیری یاد سے ہرگز ہرگز غافل نہیں ہو سکتا۔ اگر جان بھی چلی جائے تو تیری محبت دل سے نہیں جا سکتی۔ میرے آئینۂ دل میں تیرے چہرے کا عکس ایسا پڑا کہ کسی طرح زائل نہیں ہو سکتا۔

(۱۳۰)
پیریم و لے عشق چو دمساز آید | ہنگام نشاط و طرب و ناز آید
از زلف رسائے او کمندے فگنیم | بر گردن عمر رفتہ تا باز آید

اگرچہ ہم بوڑھے ہیں لیکن عشق ہمارا رفیق و دمساز ہو جائے۔ تو عیش و عشرت اور طرب و ناز کا (عہد شباب) لوٹ کر آئے۔ ہم اس (محبوب) کی زلف دراز کی کمند گردن عمر میں ڈال دیں کہ وہ واپس آجائے۔

(۱۳۱)
در باغ روم کوئے توام یاد آید | بر گل نگرم روئے توام یاد آید
در سایۂ سرو اگر دمے بنشینم | سرو قد دلجوئے توام یاد آید

اگر میں باغ میں جاتا ہوں تو تیرا کوچہ یاد آجاتا ہے اور اگر پھول کو دیکھتا ہوں تو تیرا روئے زیبا یاد آجاتا ہے۔ اگر میں دم بھر کے لئے سرو کے سائے میں بیٹھتا ہوں تو تیرا دل کو لبھانے والا بوٹا سا قد یاد آجاتا ہے۔

(۱۳۲)
من صرفہ برم چو بر صفم اعدا زد | مشتے خاشاک لطمہ بر دریا زد
ما تیغ برہنہ ایم در دست قضا | شد کشتہ ہر آنکہ خویش را بر ما زد

اگر دشمن نے میری صف (فوج) پر حملہ کیا ہے تو میں ہی فائدے میں رہوں گا کیونکہ اس حملے کی مثال ایسی ہے کہ مٹھی بھر تنکوں نے دریا کو تھپیڑا مارا ہو ظاہر ہے کہ وہ خود ہی بہہ جائیں گے۔ ہم قضا و قدر کے ہاتھ

میں تیغ برہنہ ہیں۔ جس نے ہم پر حملہ کیا وہ خود ہی مارا گیا۔

(۱۳۳)
دلبر دل خستہ رائگاں می خواہد | بفرستم گر دلش چناں می خواہد
وانگاہ بنظارہ دیدہ بر رہ بنہم | تا مژدہ کہ آورد کہ جاں می خواہد

محبوب میرے زخمی دل کو مفت میں طلب کرتا ہے اگر اس کی یہی خواہش ہے تو میں بھیج دوں گا۔ اور پھر چشم براہ ہو کر بیٹھ جاؤں گا کہ دیکھوں یہ خوشخبری کون لاتا ہے کہ اب وہ جان مانگتا ہے۔

(۱۳۴)
اے خواجہ ز فکر گور غم مے باید | اندر دل و دیدہ سوز و نم مے باید
صد وقت برائے کار دنیا داری | یک وقت بفکر گور ہم مے باید

اے خواجہ! تجھے کچھ قبر کی فکر بھی چاہیے۔ اور تیرے دل میں سوز اور آنکھوں میں آنسو بھی ہونے چاہئیں۔ دنیا داری کے معاملات کے لئے سینکڑوں وقت ہیں تو کوئی وقت فکر گور کے لئے بھی چاہیے۔

(۱۳۵)
حوراں بنظارہ نگارم صف زد | رضواں ز تعجب کف خود بر کف زد
آں خال سیہ بر آں رخاں مطرف زد | ابدال ز بیم چنگ در مصحف زد

ابدال - اولیاء اللہ کی وہ جماعت جس کی تعداد دنیا میں ہمیشہ یکساں رہتی ہے اگر ایک فوت ہو جاتا ہے۔ تو دوسرا اس کی جگہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس شعر میں خال کو سیاہ پوش ابدال سے استعارہ کیا ہے۔

مصحف - قرآن مجید۔ شعراء اکثر رخسارۂ محبوب کو مصحف سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ جیسے

لب و خال رخ یار تجھے خوب سمجھتا | جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھ کر

رضواں - داروغۂ جنت - مطرف - مزین پُر زینت۔

حوروں نے میرے محبوب کے نظارۂ جمال کے لئے پرا جما لیا۔ اور رضواں (داروغۂ جنت) نے اسے دیکھ کر تعجب سے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ (یعنی رضواں اس کے سحر حسن سے مسحور ہو گیا) اس سیاہ تل نے اس کے خوبصورت رخساروں پر حملہ کیا۔ اگر اک ابدال نے کسی خوف کی وجہ سے قرآن مجید پر پنجہ مارا۔ یعنی ان خوبصورت رخساروں پر خال سیاہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ پوش ابدال نے کسی خطرے سے محفوظ رہنے کے لئے ہاتھ میں قرآن مجید پکڑ رکھا ہو (محض شاعرانہ تشبیہ ہے)۔

(۱۳۶)
جائیکہ تو باشی اثر غم نبود | آنجا کہ نباشی دل خرم نبود
آں را کہ ز فرقت تو یک دم نبود | شادیش ز زمین و آسماں کم نبود

جہاں تو ہو وہاں غم کا اثر (نشان) نہیں ہوتا۔ اور جہاں تو نہ ہو وہاں کوئی دل خوش و خرم نہیں ہوتا۔ میں
کسی کو دم بھر کے لئے بھی تیری جدائی نصیب نہ ہو اس کی خوشی زمین و آسمان میں نہیں سما سکتی۔

(۱۳۷)
خلقان تو اے جلال گوناگون اند — گاہے چو الف راست گہے چوں نون اند
در حضرت اجلال خیال مجنوں — کز خاطر و فہم آدمی بیروں اند

اے خالق ذوالجلال تیری مخلوق طرح طرح کی ہے جو کبھی تو الف کی طرح راست و کشیدہ اور کبھی نون (ن) کی مانند کج و خمیدہ ہے۔ تیری بارگاہ عظمت میں مجنوں کے خیالات آدمی کی عقل و فہم سے باہر ہیں۔

(۱۳۸)
انواع عطا گرچہ خدا می بخشد — ہر اسم عطیۂ جدا مے بخشد
در ہر آنے حقیقت عالم را — یک اسم بقا یکے فنا مے بخشد

اگرچہ خداوند قدوس قسم قسم کے انعام و اکرام بخشتا ہے۔ اس کا ہر اسم الگ فیض پہنچاتا ہے ہر لحظہ عالم کی حقیقت کو ایک اسم فنا اور ایک بقا عطا کرتا ہے۔

(۱۳۹)
یارم ہمہ نیش بر سر نیش زند — گویم کہ مزن ستیزہ را بیش زند
چوں در دل من مقام وارد شب و روز — می ترسم ازانکہ نیش بر خویش زند

میرا دوست بچھو کے پر جیسا (نیش) ڈنگ لگاتا ہے۔ میں منع کرتا ہوں تو وہ زیادہ لڑتا ہے۔ چونکہ شب و روز میرے دل میں رہتا ہے۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ مبادا اپنے ہی جسم پر زخم لگا بیٹھے۔

(۱۴۰)
ہر چند کہ جان عارف آگاہ بود — کے در حرم قدس تو اش راہ بود
دست ہمہ اہل کشف و ارباب شہود — (مشتی) از دامن ادراک تو کوتاہ بود

اگرچہ عارف کو بوجہ تزکیۂ نفس و تصفیۂ باطن معرفت و آگہی حاصل ہوتی ہے لیکن تیری بارگاہ قدس میں اس کی کب رسائی ہو سکتی ہے۔ تمام اہل کشف اور ارباب شہود کا ہاتھ تیرے دامن ادراک تک پہنچنے سے قاصر ہے۔

(۱۴۱)
دل خستہ و سینہ چاک می باید شد — وز ہستی خویش پاک می باید شد
آں بہ کہ بخود پاک شویم اول کار — چوں آخر کار خاک می باید شد

انسان کو دل خستہ اور سینہ چاک ہونا چاہئے اور اپنی ہستی سے پاک ہو جانا چاہئے۔ جب آخر کار ہمیں خاک (فنا) ہونا ہے تو بہتر یہی ہے کہ بجائے موت (قبل ان تموتوا) ہم پہلے ہی اپنی ہستی سے گزر جائیں۔

(۱۴۲)
عاشق چو شوی تیغ بسر باید خورد — زہرے کہ رسد ہمچو شکر باید خورد
ہر چند ترا بر جگر آبے نبود — دریا دریا خون جگر باید خورد

اگر تو عاشق ہو جائے تو تجھے سر پر تلوار بھی کھانی چاہئے اور اگر زہر بھی ملے تو شکر سمجھ کر کھانی چاہئے خواہ تیرے جگر پر پانی نہ ہو۔ پھر بھی بکثرت خون جگر پینا چاہئے۔

(۱۴۳)
نقاش اگر ز موئے پرکار کند — نقش دہن تنگ تو دشوار کند
آں تنگی و نازکی کہ دارد دہنت — ترسم کہ نفس لب تو انکار کند

اگر مصور بال سے پرکار بنائے۔ تو پھر بھی تیرے دہن تنگ کی تصویر اتارنے میں بمشکل کامیاب ہو سکے گا تیرے دہن میں اس قدر تنگی و نزاکت ہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں سانس لب پر آنے سے نہ رک جائے۔

(۱۴۴)
ہر کوئے تو ہر کرا سروکار فتد — از سجدۂ دیر و کعبہ بیزار فتد
گر زلف تو در کعبہ فشاند دامن — اسلام بدست و پائے زنار فتد

جس کو تیرے کوچہ سے سروکار ہوتا ہے۔ وہ دیر و کعبہ کے سجدہ سے بیزار ہو جاتا ہے اگر تیری زلف کعبہ میں دامن افشانی کرے تو اسلام زنار کے ہاتھ چوم لے اور اس کے پاؤں پڑ جائے۔

(۱۴۵)
آنرا کہ حدیث عشق در دل گردد — باید کہ ز تیغ عشق بسمل گردد
از خاک تپاں تپاں رخ آغشتہ بخوں — برخیزد و گرد سر قاتل گردد

جس کے دل میں عشق کی باتیں اثر انداز ہو جائیں اسے چاہئے کہ تیغ عشق سے گھائل ہو جائے تڑپتا ہوا اور خون میں لتھڑا ہوا خاک سے اٹھے اور قاتل کے سر پر قربان ہو جائے۔

(۱۴۶)
درویشانند ہر چہ ہست ایشانند — در صفۂ یار در صف پیشانند
خواہی کہ مس وجود زر گردانی — با ایشاں باش کیمیا ایشانند

وہ درویش لوگ ہیں۔ جو کچھ بھی ہے وہی ہیں۔ محبوب کے دربار میں صف اول میں وہی ہیں اگر تو اپنے وجود کے تانبے کو سونا بنانا چاہتا ہے تو ان کے ساتھ رہ کیونکہ کیمیا وہی ہیں۔

(۱۴۷)
زاں نالہ کہ در بستر غم دوشم بود — غمہائے جہاں جملہ فراموشم بود
یاراں ہمہ درد من شنیدند ولی — یا رب کہ درد کرد اثر گوشم بود

جو نالہ میں کل رات بستر غم پر کر رہا تھا اس کی وجہ سے مجھے دنیا کے تمام رنج و الم بھولے ہوئے تھے

تمام دوستوں نے میرے درد کی رام کہانی سنی مگر وہ یار جس پر کچھ اثر ہوا میرا اپنا ہی کان تھا۔

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے ۔۔۔ کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا انساں سے رہتا ہے

(۱۴۸)

آورد صبا گلے ز گلزار امید ۔۔۔ یا روح قدس شہپری افگند سفید
یا کرد قضا شق ورقے از خورشید ۔۔۔ یا نامہ یار ہست کہ آورد نوید

امید کے باغ سے ہوا ایک پھول لائی ہے یا روح القدس نے سفید شہپر پھینک دیا ہے یا قضا نے سورج کا ایک ورق پھاڑ ڈالا ہے۔ یا دوست کا خط ہے جو وصال کی خوشخبری لایا ہے۔

(۱۴۹)

دی وقت سماع بوئے دلدار برد ۔۔۔ مارا بسراپردۂ اسرار برد
ایں زمزمۂ مرکب مروح تراست ۔۔۔ بردارد و خوش بعالم یار برد

کل رات سماع کے وقت محبوب کی بو ہمیں سراپردۂ اسرار میں لے جا رہی تھی۔ یہ زمزمہ در حقیقت تیری روح کے لئے سواری ہے جو تجھے اٹھا کر خوش خوش یار کی بارگاہ میں پہنچا دیتی ہے۔

"دی" کے بجائے "دل" زیادہ موزوں و مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اصطلاح تصوف میں دل سے مراد نفس ناطقہ انسانی ہے چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ نے کیمیائے سعادت میں اس کی مفصل تشریح فرمائی ہے۔ مطلب یہ کہ دل سماع (راگ۔ قوالی) کے وقت دلدار کی بو حاصل کرتا ہے اور انسان کو سراپردۂ اسرار میں پہنچا دیتا ہے۔

(۱۵۰)

اے رہ ز حسد زپیش بیروں نشود ۔۔۔ خود بیناں را معرفت افزوں نشود
آں فقر کہ مصطفےٰ براں فخر آورد ۔۔۔ آنجا نرسی تا جگرت خوں نشود

اے مخاطب! حسد سے راہ معرفت طے نہیں ہوتی اور مغرور و خود بیں لوگ اس (معرفت) سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتے وہ فقر جس پر رسول کریم (صلعم) کو فخر و ناز تھا (چنانچہ ارشاد ہے کہ الفقر فخری والفقر منی)۔ جب تک تیرا جگر خون نہ ہو جائے تو اسے حاصل نہیں کر سکتا۔

(۱۵۱)

دل صاف کن کہ حق بدل می نگرد ۔۔۔ دلہائے پراگندہ بیک جو نخرد
اے ہر کہ کند صاف دل از بہر خدا ۔۔۔ گوئے ز ہمہ مردم عالم ببرد

تو اپنے دل کو صاف کر کیونکہ حق تعالیٰ دل ہی کو دیکھتا ہے اور پریشان و پراگندہ دلوں کی قدر ایک جو کے برابر بھی نہیں کرتا۔ اے مخاطب! جو شخص خداوند قدوس کے لئے تصفیۂ قلب کرتا ہے وہ تمام دنیا کے لوگوں

سے گوئے سبقت لیجاتا ہے (ممتاز ہو جاتا ہے)۔

(۱۵۲)

در سلسلۂ عشق تو جاں خواہم داد ۔۔۔ در عشق تو ترک خانماں خواہم داد
روزے کہ ترا بہ بینم اے عمر عزیز ۔۔۔ آں روز یقیں بداں کہ جاں خواہم داد

تیرے عشق کے سلسلہ میں اپنی جان دیدونگا اور تیری محبت میں خانماں برباد ہو جاؤنگا۔ اے عمر عزیز (محبوب) جس روز میں تجھے دیکھ لونگا تو یقین رکھ کہ فرط انبساط سے اپنی جان تجھ پر قربان کر دونگا۔

(۱۵۳)

رفتم بکلیسیائے ترسا و یہود ۔۔۔ ترسا و یہود جملگی رو بتو بود
بریاد وصال تو بہ بتخانہ شدم ۔۔۔ تسبیح بتاں زمزمۂ عشق تو بود

میں یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں میں گیا تو دیکھا کہ یہود و نصاریٰ سب تیری ہی طرف متوجہ تھے میں تیرے وصال کی یاد میں بتخانہ میں گیا تو وہاں بھی بتوں کی تسبیح تیرے ہی عشق کا نغمہ تھا۔

؎ یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں ۔۔۔ ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

(۱۵۴)

گر عشق دل مرا خریدار افتد ۔۔۔ کارے بکنم کہ پردہ از کار افتد
سجادۂ پرہیز چناں افشانم ۔۔۔ کز ہر تارے ہزار زنار افتد

اگر عشق تیرے دل کی خریداری پر مائل ہو جائے تو میں وہ کام کروں کہ سب کچھ الم نشرح ہو جائے پرہیزگاری کا سجادہ اس طرح سے جھاڑوں کہ ایک ایک تار سے ہزاروں زنار گریں یعنی زہد ریائی کا تار تار بکھیر دوں۔

(۱۵۵)

آں رشتہ کہ بر لعل لبت سودہ شود ۔۔۔ وز نوش دہان اشک آلودہ شود
خواہم کہ بدیں سینۂ چاکم دوزی ۔۔۔ شاید کہ ز غمہائے تو آسودہ شود

نوش دہاں۔ مراد لعاب دہن

وہ دھاگا جو تیرے لب لعل سے مس اور تیرے لعاب دہن سے نم آلودہ ہوا ہو۔ میری آرزو ہے کہ تو اس کے ساتھ میرے چاک سینہ کو بخیہ کرے ممکن ہے کہ اسے تیرے غم سے نجات و آسودگی حاصل ہو جائے

(۱۵۶)

گر عدل کنی شہر جہانت خوانند ۔۔۔ ور ظلم کنی سگ عوانت خوانند
چشم خرد ت باز کن و نیک ببیں ۔۔۔ تا زیں دو کدام بہ کہ آنت خوانند

اگر تو عدل کرے تو تجھے جہان میں فتنہ و فساد برپا کرنے والا کہتے ہیں اور اگر تو ظلم کرے، تو

تجھے کاٹ کھانیوالا کتا کہتے ہیں۔ تو چشم خرد کو کھول اور غور سے دیکھ کہ تجھے ان دونوں باتوں میں سے کیا کہیں تو بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا کسی طرح بھی خوش نہیں رہ سکتی۔

(۱۵۷) آنہا کہ ز معبود خبر یافتہ اند — از جملۂ کائنات سر تافتہ اند
در روزہ ہمی کنند مردان نظر — مرداں ہمہ از قرب نظر یافتہ اند

جن لوگوں کو معبود حقیقی کی کچھ خبر ہو گئی ہے انہوں نے تمام کائنات سے منہ موڑ لیا ہے۔ مردانِ خدا کاسۂ چشم سے انوار و تجلیات الٰہی کی گدا گری کرتے ہیں اور انہوں نے جب بھی کچھ حاصل کیا ہے اسی قرب نظر سے حاصل کیا ہے۔

(۱۵۸) از درگہ نقش کرد و ما را بستند — ترکیب ہمی قدرانِ موزوں بستند
پابستہ بزنجیر جنوں من بودم — مردم سخنے بپائے مجنوں بستند

اسی بارگاہ سے اپنی تجلیات بار بار ڈالی ہے اور دھر کا نقش باندھا ہے۔ اور موزوں بھی قدِ معشوق عالم ظہور میں آئے ہیں۔ جنوں کی زنجیر میں ذات باری ہی مقید و پابستہ تھی لوگوں نے مجنوں کے متعلق باتیں بنانی شروع کیں۔

"من" سے مراد ہستی مطلق ہے۔ محمود شبستری رحمہ اللہ

چو ہست مطلق آید در اشارت — بلفظ من کنند از وے اشارت

مطلب یہ کہ قیس جو لیلیٰ کے عشق میں دیوانہ ہو گیا تھا در حقیقت وہ حسن ازل کا دلدادہ و شیدائی تھا بلکہ حسن ازل بھی خود ہی تھا

(۱۵۹) تا مرد بہ تیغ عشق بے سر نشود — اندر رہ عشق و عاشقی سر نشود
ہم یار طلب کنی و ہم سر خواہی — آرے خواہی ولے میسر نشود

جب تک آدمی سر تیغ عشق کے نیچے نہیں دھر دیتا عشق و عاشقی کے راستہ میں سرفراز نہیں ہوتا تو یار کا بھی طلبگار ہے اور سر کی بھی فکر رکھتا ہے۔ بیشک تو ان دونوں باتوں کا آرزو مند ہے۔ مگر ایسا ہو نہیں سکتا۔

(۱۶۰) صوفی بسماع سر ازاں افشاند — تا آتش خویشتن دمے بنشاند
عاقل داند کہ دایہ گہوارۂ طفل — از بہر سکون طفل مے جنباند

صوفی سماع کے وقت اس لئے سر ہلاتا ہے کہ شاید دل کی آگ کو قدرے تسکین ہو جائے عقلمند لوگ جانتے ہیں کہ دایہ بچے کے گہوارہ کو اس لئے ہلاتی ہے۔ کہ بچے کو آرام و سکون حاصل ہو۔

(۱۶۱) گفتی کہ شب آیم ارچہ بیگاہ شود — شاید کہ زبان خلق کوتاہ شود
بر خفتہ کجا نہاں توانی کردن — کز بوئے خوش تو مردہ آگاہ شود

تو کہتا ہے کہ میں رات کو آؤنگا۔ گو بیوقت ہی ہو۔ ممکن ہے کہ لوگوں کی زبان کوتاہ (بند) ہو جائے تو اپنی آمد کے راز کو سوئے ہوئے سے کیونکر پوشیدہ رکھ سکتا ہے تیری بو سے تو مردے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں۔

(۱۶۲) بخشائے برآنکہ جز تو یارش نبود — جز خوردن اندوہ تو کارش نبود
در عشق بالیقیں نباشد کہ دمے — ہم با تو و ہم بے تو قرارش نبود

تو اس غمزدہ کے حال پر لطف و کرم کر جس کا تیرے سوا کوئی یار و غمگسار نہ ہو اور تیرا غم کھانے کے علاوہ اسے کوئی کام نہ ہو۔ عشق میں یقیناً ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ خواہ تیرا وصال ہو یا فراق اسے دم بھر کے لئے بھی قرار و اطمینان حاصل نہ ہو۔

(۱۶۳) گویند کہ محتسب گمانے نبرد — ایں پردۂ تو پیش جہانے ندرد
گویم کہ ازیں شراب اگر محتسب است — دریا بدو قطرۂ بجانے بخرد

محتسب۔ اسلامی سلطنتوں میں ایک عہدہ دار ہوتا تھا جو لوگوں کو خلاف شرع امور بالخصوص شرابخواری وغیرہ سے روکتا تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محتسب کو تیری شرابخواری کا گمان ہو جائے۔ اور وہ جہان میں تجھے رسوا کر دے۔ تو میں جواب دیتا ہوں کہ اگر محتسب کو بھی یہ شراب مل جائے تو وہ اس کا ایک قطرہ جان کے عوض خرید لے۔

(۱۶۴) شب خیز کہ عاشقاں بشب راز کنند — گرد در و بام دوست پرواز کنند
ہر جا کہ درے بود بشب بر بندند — الا در دوست را کہ شب باز کنند

غفلت کو بیدار رہو۔ کیونکہ عاشق رات کے وقت راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں اور محبوب کے در و بام کے گرد پرواز کرتے ہیں۔ جہاں کہیں دروازہ ہو وہ رات کو بند کر دیتے ہیں لیکن دوست کا دروازہ ایسا ہے

کہ رات کے وقت کھلتا ہے۔ یعنی ذکر و فکر کے لئے شب کی ظلمت زیادہ موزوں ہے۔

(۱۶۵)
از شبنم عشق خاکِ آدم گِل شد — شورے برخاست فتنہ او حاصل شد
سرِ نشترِ عشق بر رگِ روح رسید — یک قطرۂ خوں چکید و نامش دل شد

عشق کی شبنم سے انسان کی مٹی گوندھی گئی۔ ایک شور برپا ہوا اور اس کا قد بن گیا۔ عشق کے نشتر کی نوک روح کی رگ میں لگی اور اس سے لہو کی ایک بوند ٹپکی۔ اس کا نام دل رکھ دیا۔

(۱۶۶)
در عشق تو گاہ بت پرستم گویند — گہ رند و خراباتی و مستم گویند
اینہا ہمہ از بہر شکستم گویند — من شاد بآنکہ ہر چہ ہستم گویند

تیرے عشق میں کبھی تو مجھے بت پرست کہتے ہیں اور کبھی رند، خراباتی اور مست کے نام سے موسوم کرتے ہیں لوگ یہ سب باتیں مجھے شکست دینے کے لئے کہتے ہیں لیکن میں خوش ہوں کہ جو کچھ میں ہوں وہی کہتے ہیں۔

(۱۶۷)
نے دیدہ بود کہ جستجویش نہ کند — نے کام و دہاں کہ گفتگویش نکند
ہر دل کہ درو بوئے وفائے نبود — گر پیش سگ افگنند بویش نکند

وہ آنکھ ہی نہیں جو اس کی جستجو نہ کرے اور وہ حلق اور زبان ہی نہیں جو اس کی گفتگو نہ کرے۔ جس دل میں وفا کی بو نہ ہو اگر اسے کتے کے سامنے ڈال دیں تو وہ اسے سونگھنا بھی گوارا نہ کرے۔

(۱۶۸)
آساں گل باغ مدعا نتواں چید — بے سرزنش خار وفا نتواں چید
بشگفتہ گل مراد بر شاخ امید — تا سر نہی بزیر پا نتواں چید

باغ آرزو کا پھول بآسانی اور خار وفا کی خلش کے بغیر نہیں چنا جا سکتا۔ شاخ امید پر گل مراد کھلا ہے مگر جب تک تم اس شاخ مراد کے سرہانے کو پاؤں کے نیچے نہ رکھو گے یعنی تکالیف برداشت کر کے اسے سرنگوں نہ کرو گے وہ ہاتھ نہ آئیگا۔ ع

بہر یک گل زحمت صد خار می باید کشید

(۱۶۹)
آں روز کہ نور بر ثریا بستند — ویں منطقہ بر میان جوزا بستند
در کتم عدم چناں آتش بر شمع — عشقت بہزار رشتہ بر ما بستند

جس روز ثریا کو نور عطا ہوا اور یہ پٹکا جوزا کی کمر میں باندھا گیا پردۂ عدم میں تیرا عشق ہم پر ہزار ہا رشتوں سے اس طرح ہم پر باندھا گیا جس طرح شمع پر آگ۔ مطلب یہ کہ ہمارا عشق ازلی ہے۔

(۱۷۰)
در دوزخ اگر زلف تو در چنگ آید — از حال بہشتیاں مرا ننگ آید
گر بے تو بصحرائے بہشتم خوانند — صحرائے بہشت در دلم تنگ آید

اگر دوزخ میں تیری زلف میرے ہاتھ لگ جائے تو بہشتیوں کے حال سے مجھے ننگ و عار معلوم ہو (یعنی بہشت میری نظروں میں بے وقعت ہو جائے) اور اگر تیرے بغیر مجھے صحرائے بہشت میں بلائیں تو صحرائے بہشت کی وسعت مجھ پر تنگ ہو جائے۔

(۱۷۱)
در مدرسہ اسباب عمل می بخشند — در میکدہ لذت ازل می بخشند
آنجا کہ بنائے خانۂ رندان است — سرمایۂ ایماں بہ سبل می بخشند

مدرسہ میں اسباب عمل بخشتے ہیں (یعنی عمل کے طریقوں پر بحث ہوتی ہے) اور میکدہ میں لذت ازل عطا ہوتی ہے لیکن جس جگہ رندوں کے گھر کی بنیاد قائم ہے وہاں راہ چلتے مسافروں کو سرمایۂ ایمان سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اقبال مرحوم ؎

عقل تو حاصل حیات عشق تو سر کائنات — پیکر خاک خوش بیا ایں سوئے عالم جہات

(۱۷۲)
ہوشم نہ موافقاں و خویشاں بردند — ایں کج کلہا موئے پریشاں بردند
گویند چرا تو دل بدیشاں دادی — واللہ کہ من ندادم ایشاں بردند

میرے ہوش و حواس کو احباب و اقرباء نے نہیں لوٹا بلکہ یہ ٹیڑھی ٹوپی اور پریشان زلفوں والے معشوق اڑا لے گئے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ تو نے ان کو دل کیوں دیا۔ بخدا میں نے نہیں دیا بلکہ وہ خود ہی لے گئے ہیں۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ ؎

دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم — باید اول بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

(۱۷۳)
عاشق ہمہ دم فکر غم دوست کند — معشوق کرشمہ کہ نکوست کند
ما جرم و گنہ کنیم و او لطف و کرم — ہر کس چیزے کہ لائق اوست کند

عاشق ہر وقت غم دوست کی فکر میں محو رہتا ہے اور معشوق بہترین ناز و انداز کرتا ہے۔ ہم جرم و گناہ کرتے ہیں اور وہ لطف و کرم کرتا ہے۔ ہر شخص وہی کرتا ہے جو اس کے لائق و سزاوار ہے۔

(۱۷۴) از لطف تو ہیچ بندہ نومید نہ شد — مقبول تو جز مقبل جاوید نہ شد
مہرت بکدام ذرہ پیوست دمے — کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نہ شد

مقبل ۔ اقبال مند

تیرے لطف و کرم سے کوئی بندہ نومید نہیں ہوا۔ جو شخص تیری بارگاہ میں مقبول ہو گیا وہ مقبل جاوید ہو گیا۔ جس ذرہ کے ساتھ دم بھر کے لئے تیری محبت وابستہ ہو گئی وہ (ذرہ) ہزار سورج سے بہتر ہو گیا۔

(۱۷۵) شادم بدمے کز آرزویت گذرد — خوشدل بحدیثے کز رویت گذرد
نازم بدو چشمے کہ بسویت گذرد — بوسم کف پائے کہ بکویت گذرد

میں اس وقت (مدت) سے خوش ہوں جو تیری آرزو میں گذر جائے۔ اور اس گفتگو سے خوش ہوں جو تیرے روئے زیبا سے متعلق ہو۔ ان آنکھوں پر فخر و ناز کرتا ہوں۔ جو تیرے دیدار سے بہرہ اندوز ہوں۔ ان پاؤں کو بوسہ دیتا ہوں جو تیرے کوچہ میں سے گزریں۔

(۱۷۶) مارا نبود دلے کہ خرم گردد — خود بر سر کوئے ما طرب کم گردد
گر شادی عالمے بما روئے دہد — چوں بر سر کوئے ما رسد غم گردد

ہمیں تو وہ دل حاصل نہیں جو کبھی خوش ہو۔ خوشی ہمارے کوچہ میں سے کم گذرتی ہے اگر تمام دنیا کی خوشی و مسرت ہماری طرف متوجہ ہو تو جس وقت ہمارے کوچہ میں پہنچے غم میں تبدیل ہو جائے۔

(۱۷۷) در چنگ غم تو دل سرودے نکند — پیش تو فغان و نالہ سودے نکند
نالیم بنالہ کہ آگہ نہ شوی — سوزیم بآتشے کہ دودے نکند

چنگ ۔ پنجہ، ایک ساز کا نام بھی ہے جسے سارنگی کہتے ہیں۔ اسی کی رعایت سے سرود کا لفظ استعمال ہوا ہے

سرود ۔ مراد نالہ و زاری۔

تیرے غم کے پنجہ میں دل نغمہ پرداز نہیں ہوتا۔ کیونکہ تیرے سامنے نالہ و فریاد بے سود ہے۔ ہم اس طرح روتے ہیں کہ تجھے خبر بھی نہیں ہوتی اور ایسی آگ میں جلتے ہیں کہ دھواں تک نہیں ہوتا۔

قدت قد من زبار محنت خم کرد — چشمت چشم ز چشمہا پُر نم کرد
خالت حالم چو روز من تیرہ نمود — زلفت کارم چو کار خود درہم کرد

تیرے قد نے میرے قد کو بار محنت (بار غم عشق) سے خمیدہ کر دیا۔ اور تیری آنکھوں نے

میری آنکھوں میں نمی کے چشمے پیدا کر دئے۔ تیرے خال نے میرے حال کو میرے روزگار کی مانند سیاہ و تاریک کر دیا۔ اور تیری پراگندہ زلف نے میرے کام کو اپنی طرح درہم برہم کر دیا۔

(۱۷۹) از دفتر عشق ہر کہ فردے دارد — اشک گلگوں و چہرہ زردے دارد
بر گرد سرے شود کہ سوزیست درو — قربان دلے رود کہ دردے دارد

دفتر عشق میں سے جس کے پاس ایک فرد بھی ہے وہ خونیں آنسو اور زرد چہرہ رکھتا ہے اور وہ اس سر پہ نثار ہو جاتا ہے جس میں سوز ہو اور اس دل پر قربان ہو جاتا ہے جس میں درد ہو۔

(۱۸۰) گر دشمن مرداں ہمگی حرق شود — ہم برق صفت بخویشتن برق شود
گر سگ بمثل درون دریا برود — دریا نشود پلید سگ غرق شود

اگر مردان خدا کا دشمن سراپا آتش بن جائے تو برق سوزاں کی مانند اپنی ہی آگ میں جل جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی کتا دریا میں چلا جائے تو دریا پلید نہیں ہو گا۔ کتا غرق ہو جائیگا۔

(۱۸۱) با علم اگر عمل برابر گردد — کام دو جہان ترا میسر گردد
مغرور مشو بخود کہ خوانی ورقے — زاں روز حذر کن کہ ورق برگردد

اگر علم کے ساتھ اس کے مساوی عمل بھی شامل ہو جائے تو تیری دونوں جہان کی آرزوئیں بر آئیں۔ تو مغرور نہ ہو کہ چند ورق پڑھ لئے ہیں۔ بلکہ اس دن سے ڈر جبکہ ورق الٹ جائے گا یعنی روز قیامت۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ العلم بدون العمل وبال (عمل کے بغیر علم وبال ہے) اور رسول کریم صلعم نے علم بے عمل سے پناہ مانگی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع اے خدا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو کچھ فائدہ نہ دے۔

(۱۸۲) مردان تو دل بمہر گردوں ننہند — لب بر لب ایں کاسۂ پر خوں ننہند
در دائرہ اہل وفا چوں پرگار — گر سر بنہند پائے بیروں ننہند

تیری محبت کے مرد میدان آسمان کی مہر و محبت پر فریفتہ نہیں ہوتے اور اس کاسۂ پُرخون کو منہ نہیں لگاتے اور اہل وفا کے دائرے میں پرکار کی مانند اگر سر کٹتے ہیں تو پاؤں اس دائرہ سے باہر نہیں نکالتے۔

(۱۸۳) ز اول رہ عشق تو مرا سہل نمود — پنداشت رسد بمنزل وصل تو زود
گامے دو سہ [illegible] وراہ را دریا دید — چوں پائے درون نہاد موجش بربود

ابتدا میں تیرے عشق کا راستہ مجھے آسان معلوم ہوا اور دل نے سمجھا کہ تیری منزلِ وصل تک جلد ہی پہنچ جاؤں گا۔ لیکن دو تین ہی قدم چلا تھا کہ راستہ دریا معلوم ہونے لگا اور جب اس دریا کے اندر قدم رکھا تو موج بہا کر لے گئی۔ خواجہ حافظ شیرازی ؎

اَلَا یا اَیُّہَا السّاقی اَدِر کاساً وَناوِلہا — کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکل ہا

(۱۸۴)
گر نہاں کرد عیب و گر پیدا کرد — منت دارم ازو کہ بس بجا کرد
تاج سرِ من خاکِ کفِ پائے کسی است — کو چشمِ مرا بعیبِ من بینا کرد

خواہ اس نے میرے عیب کو چھپایا یا ظاہر کر دیا میں اس کا مرہونِ منت ہوں کہ اس نے جو کچھ بھی کیا بالکل بجا اور درست کیا۔ میرے سر کا تاج اس شخص کے پاؤں کی خاک ہے جس نے میری آنکھ کو میرے عیب سے آشنا کر دیا۔

(۱۸۵)
کامل ز یکے ہنر دہ و صد بیند — ناقص ہمہ جا معائبِ خود بیند
خلق آئینۂ چشم و دل یکدگر اند — در آئینہ نیک نیک بد بد بیند

کامل آدمی ایک ہنر میں سینکڑوں خوبیاں دیکھتا ہے اور ناقص کو ہر جگہ اپنے ہی عیوب و نقائص نظر آتے ہیں مخلوق باہم ایک دوسرے کی آنکھ اور دل کا آئینہ ہے۔ اور آئینہ میں اچھا چہرہ اچھا اور برا برا معلوم ہوتا ہے لمولفہ ؎

سمجھتا ہوں میں عکسِ آئینہ اس کو — کسی میں جو عیب و ہنر دیکھتا ہوں

(۱۸۶)
گلزارِ وفا ز خارِ من مے روید — اخلاص ز رہگذارِ من می روید
در فکرِ تو دوش سر بزانو بودم — امروز گل از کنارِ من می روید

وفا کا گلزار میرے خار سے اگتا ہے اور اخلاص میرے رہگذر سے پیدا ہوتا ہے۔ کل میں تیری فکر میں سر بزانو تھا۔ آج میری کنار (بغل، پہلو) سے پھول اگ رہے ہیں۔

(۱۸۷)
در دل ہمہ شرک روئے بر خاک چہ سود — با نفسِ پلید جامۂ پاک چہ سود
زہر است گناہ و توبہ تریاق وے است — چوں زہر بجاں رسید تریاق چہ سود

جب دل میں سراسر شرک بھرا ہوا ہے تو ایسی حالت میں سجدہ کرنے سے کیا فائدہ اور نفسِ پلید کے ساتھ صاف ستھرے لباس سے کیا حاصل۔ (یعنی انسان کو تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی ضرورت ہے۔ اگر آئینہ

دل غبارِ شرک سے اور نفس دنیاوی آلودگیوں سے پاک نہ ہو تو سجدہ ریزی اور پاکیزہ لباس پہننے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مولانا روم ؎ بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر۔ ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر۔)

گناہ زہر ہے اور توبہ اس کا تریاق ہے جب زہر جان میں اتر کر جائے تو تریاق سے کیا فائدہ ؎

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست — وقتِ پیری گرگِ ظالم میشود پرہیزگار

(۱۸۸)
خرم دل آنکہ از ستم آہ نکرد — کس را ز درونِ خویش آگاہ نکرد
چوں شمع ز نورِ دل سراپا بگداخت — و ز دامنِ شعلہ دست کوتاہ نکرد

"نور" کے بجائے "سوز" زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

وہ بہت خوش دل آدمی ہے جس نے کسی کے جور و ستم پر بھی آہ نہ کی اور کسی کو اپنے باطن سے آگاہ ہونے کا موقع نہ دیا۔ شمع کی مانند سوزِ دل سے سراپا جل گیا مگر شعلے کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

(۱۸۹)
تا ولولۂ عشقِ تو در گوشم شد — عقل و خرد و ہوش فراموشم شد
تا یک ورق از عشقِ تو از بر کردم — سی صد ورق از علم فراموشم شد

جب سے تیرے عشق کا غوغا میں نے سنا۔ عقل و خرد اور ہوش و حواس سب جاتے رہے اور جب میں نے تیرے عشق کا ایک ورق ازبر کیا علمِ ظاہری کے تین سو ورق فراموش ہو گئے۔

(۱۹۰)
گوشم چو حدیثِ دردِ چشمِ تو شنید — فی الحال دلم خوں شد و از دیدہ چکید
چشمِ تو نکو شود بمن چوں نگری — تا کور شود ہر آنکہ نتواند دید

جب میرے کان نے تیرے دردِ چشم کی بات سنی تو فوراً ہی میرا دل خون ہو کر آنکھوں سے ٹپک گیا۔ جب تو میری طرف دیکھے تو تیری آنکھ اچھی ہو جائے اور حاسد گر یہ گوارا نہ کر سکے۔ کہ تو میری طرف دیکھے تو وہ اندھا ہو جائے۔

(۱۹۱)
یک نیم رخت اَلَسْتُ مِنْکُمْ بِبَعِیْدٍ — یک نیم دگر اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ
بر گردِ رخت نوشتہ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ — مَنْ مَاتَ مِنَ الْعِشْقِ فَقَدْ مَاتَ شَہِیْدٌ

تیرا نصف چہرہ (میں تم سے دور نہیں ہوں) ہے۔ اور نصف دیگر (بیشک میرا عذاب بہت سخت ہے) ہے۔ تیرے چہرے کے گرد (زندہ کرنے والا اور مارنے والا) لکھا ہوا ہے (جو شخص تیرے عشق میں [illegible] ہوا وہ شہید ہے)۔

چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ من عشق وکتم ومات فقد مات شہیدا۔ نیز خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون۔

شعر اول میں ہو اور قدوس کی شان جلالی وجمالی کی طرف اشارہ ہے اور شعر دوم میں یہی دونوں اسماء، صفات متقابلہ یہی مراد ہیں۔

(۱۹۲)
وردا کہ ہمی روی برہ باید کرد — ویں مفرش عاشقی دوتہ باید کرد
بر طاعت و خیر خود نباید نگریست — بر رحمت و فضل او نگہ باید کرد

افسوس کہ تو جا رہا ہے۔ اب تجھ کو الوداع کہنا چاہئے۔ اور عشق و عاشقی کے بستر کو لپیٹ دینا چاہئے اپنی عبادت اور نیکی پر نظر نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھنا چاہئے

(۱۹۳)
آں وقت کہ ایں انجم و افلاک نبود — ویں آب و ہوا و آتش و خاک نبود
اسرار یگانگی سبق مے گفتم — ویں قالب و ایں نوا و ادراک نبود

جس وقت یہ ستارے اور آسمان نہ تھے اور عناصر اربعہ کا بھی وجود نہ تھا یعنی آفرینش کائنات سے قبل) میں اسرار یگانگی کا سبق پڑھایا کرتا تھا۔ اگرچہ یہ جسم و آواز اور عقل و ادراک بھی مجھے حاصل نہ تھے۔

(۱۹۴)
اے عشق بدرد تو سرے مے باید — صیدے تو ز من قوی ترے می باید
من مرغ بیک شعلہ کبابم - بگذار — کایں آتش را سمندرے مے باید

سمندر۔ آگ میں پیدا ہونے والا کیڑا۔

اے عشق! تیرے درد کے لئے کوئی سر چاہئے اور تیرا شکار میری نسبت زیادہ قوی چاہئے میں وہ مرغ ہوں کہ ایک ہی شعلہ پر کباب ہو جاؤں اس لئے مجھے چھوڑ دے کیونکہ اس آگ (آتش عشق) کے لئے تو کسی سمندر کی ضرورت ہے۔

(۱۹۵)
گفتم چشمم گفت براہش مے دار — گفتم جگرم گفت بآہش مے دار
گفتم کہ دلم گفت چہ داری در دل — گفتم غم تو گفت نگاہش مے دار

میں نے کہا کہ میری آنکھ۔ اس نے کہا اسے راستہ پر لگا رکھ (یعنی انتظار میں محو رکھ) میں نے کہا کہ میرا جگر۔ فرمایا اسے آہ و زاری میں مصروف رکھ۔ میں کہا میرا دل۔ پوچھا کہ دل میں کیا رکھتے ہو۔ میں نے کہا تمہارا غم۔ ارشاد ہوا کہ اس کی نگہداشت کر۔

مطلب یہ کہ عالم عشق میں ہمارے تمام اعضاء و قویٰ کے لئے جداگانہ وظائف و خدمات ہیں۔ آنکھوں کا کام انتظار ہے جگر کا کام آہ و زاری وقس علیٰ ہذا۔

(۱۹۶)
یارب بکشا گرہ ز کار من زار — رحمے کہ ز خلق عاجزم در ہمہ کار
جز در گہ تو کے بودم درگاہے — محروم ازیں در مکنم اے غفار

اے پروردگار! مجھ نحیف و ناتواں کی مشکل کشائی کر اور رحم فرما کیونکہ میں تمام امور میں مخلوق کے ہاتھوں تنگ آگیا ہوں اور تیری بارگاہ کے سوا میرا کوئی ملجا و ماویٰ نہیں اس لئے مجھے اپنی بارگاہ سے محروم نہ رکھ۔

بابا طاہر ہمدانی رحمۃ اللہ سے

موئم کز دوری ات سوتہ آیم — تو نیز از دوری بکہ واشم

(۱۹۷)
یارب بدو نور دیدۂ پیغمبر — یارب بدو شمع دودمان حیدر
بر حال من از عین عنایت بنگر — دارم نظرے آنکہ نیفتم ز نظر

دودمان - خاندان - حیدر - حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ۔

اے پروردگار! پیغمبر (صلعم) کے دونوں نور نظر (امام حسنؓ اور امام حسینؓ) کی طفیل اور خاندان علی کرم اللہ وجہہٗ کی دونوں شمعوں (حسنینؓ) کے صدقے میرے حال پر عین عنایت سے نظر کر میں امید رکھتا ہوں کہ نظر سے نہ گروں گا۔

(۱۹۸)
در بزم تو اے شوخ منم زار و اسیر — در کشتن من ہیچ نداری تقصیر
با غیر سخن کنی کہ از رشک بسوز — سویم نکنی نظر کہ از غصہ بمیر

اے شوخ! تیری بزم میں میں ہی ایک زار و اسیر ہوں جس کے قتل کرنے میں تجھے ذرا بھی دریغ نہیں تو غیر کے ساتھ باتیں کرتا ہے اس لئے کہ میں رشک سے جل جاؤں اور میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تاکہ میں غصے سے مر جاؤں۔

(۱۹۹)
گر دور فتادم از وصالت بضرور — دارد دلم از یاد تو صد نوع حضور
خاصیت سایۂ تو دارم کہ مدام — نزدیک توام اگرچہ می افتم دور

اگرچہ میں مجبوراً تیرے وصال سے دور جا پڑا ہوں لیکن دل کو تیری یاد سے ہر طرح کی حضوری حاصل ہے میں تیرے سایہ کی خاصیت رکھتا ہوں کہ باوجود دور رہنے کے ہمیشہ تیرے نزدیک رہتا ہوں ٥

شبِ فراق بھی حاصل ہے یوں وصال ترا / نگاہِ شوق ہے آئینۂ جمال ترا

(۲۰۰) خورشید چو بر فلک زند رایت نور / در پرتو آں خیرہ شود دیدہ ز دور
وانگہ کہ کند ز پردۂ ابر ظہور / فالناظر یجتلیہ من غیر قصور

جب سورج آسمان پر نور کا جھنڈا گاڑ دیتا ہے تو اس کی روشنی کی وجہ سے آنکھوں میں چکاچوند آ جاتی ہے لیکن جب سورج ابر کے پردے سے نمودار ہوتا ہے تو دیکھنے والا اس کا مشاہدہ بلا تکلف کر سکتا ہے

(۲۰۱) اے فضل تو دستگیرِ من دستم گیر / سیر آمدہ ام ز خویشتن دستم گیر
تا چند کنم توبہ و تا کے شکنم / اے توبہ دہ و توبہ شکن دستم گیر

اے خدا! تیرا فضل میرا دستگیر ہے۔ تو میری دستگیری کر کیونکہ میں اپنے آپ سے تنگ آ گیا ہوں۔ میں کب تک توبہ کرتا اور پھر اس توبہ کو توڑتا رہوں گا۔ اے توبہ کی توفیق عنایت کرنے والے اور توبہ کو توڑنے والے میری امداد کر۔

(۲۰۲) یارب در دل بہ غیر خود جا مگذار / در دیدۂ من گرد تمنا مگذار
گفتم گفتم ز من نمے آید ہیچ / رحمے رحمے مرا بہ من وا مگذار

اے خدا میرے دل میں اپنے سوا غیر کے لئے جگہ مت چھوڑ اور میری آنکھ میں کسی دوسرے کے دیدار کی تمنا و آرزو نہ رہنے دے۔ میں نے بار بار کہا ہے کہ مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو رحم فرما اور مجھ کو میرے حال پر نہ چھوڑ۔

(۲۰۳) لذاتِ جہاں چشیدہ باشی ہمہ عمر / با یار خود آرمیدہ باشی ہمہ عمر
ہم آخر عمر رحلتت باید کرد / خوابے باشد کہ دیدہ باشی ہمہ عمر

تمام عمر تو نے دنیا کے مزے چکھے ہوں گے اور اپنے محبوب دلنواز کے ساتھ آرام کیا ہو گا۔ آخر کار تجھے اس دنیا سے کوچ کرنا پڑے گا۔ اور تیری زندگی ایک خواب ہو گی جو تو نے مدت العمر دیکھا ہو گا ؎

وائے ناکامی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا / خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

(۲۰۴) ہر دُر کہ ز بحرِ اشکم افتد بکنار / در رشتۂ جان خود کشم گوہر وار
گیرم بکفش چو سبحہ در فرقتِ یار / یعنی کہ نمی زنم نفس جز بشمار

ہر ایک موتی جو میرے آنسوؤں کے سمندر سے میرے دامن میں گرتا ہے میں اسے اپنی روح کی لڑی

میں گوہر کی مانند پرو لیتا ہوں اور فراق یار میں تسبیح کی طرح اسے ہاتھ میں لے لیتا ہوں یعنی سانس بھی گن گن کر لیتا ہوں۔

(۲۰۵) ہر لقمہ کہ بر خوانِ عوان است مخور / گر نفس ترا راحت جان است مخور
گر نفس ترا عسل نماید بمثل / آں خون دل پیرہ زنان است مخور

عوان۔ سخت گیر زدہ۔ ظالم۔

ہر لقمہ جو کسی ظالم و جابر کے دسترخوان پر ہے نہ کھا۔ اگرچہ اس سے تیری جان کو راحت ملتی ہو۔ تو اس کی طرف التفات نہ کر۔ گو وہ تجھے شہد معلوم ہوتا ہو۔ مگر حقیقت میں وہ بڑھیا عورتوں کا خون دل ہے لہذا اسے مت کھا۔

(۲۰۶) ناقوس نواز گر ز من دارد عار / سجادہ نشیں اگر ز من کردہ کنار
من نیز برغم ہر دو انداختہ ام / تسبیح در آتش آتش اندر زنار

اگر ناقوس (سنکھ) بجانے والا (برہمن) مجھ سے ننگ و عار رکھتا ہے اور سجادہ نشین زاہد مجھ سے کنارہ کش ہے تو میں نے بھی دونوں کے علی الرغم تسبیح کو نذر آتش کر دیا ہے اور زنار کو آگ لگا دی ہے۔

(۲۰۷) با یار موافق آشنائی خوشتر / وز ہمدم بیوفا جدائی خوشتر
چوں سلطنت زمانہ بگذاشتنی است / پیوند بملک بے نوائی خوشتر

موافق طبع یار کے ساتھ آشنائی بہتر اور بیوفا رفیق سے جدائی اولی ہے چونکہ دنیا کی سلطنت چھوڑ دینے کے قابل ہے تو اس سے قطع تعلق کر کے فقر و بینوائی کے ملک سے وابستہ ہونا بہتر ہے ؎

سر و ساماں کی ضرورت نہیں اس منزل میں / سر و ساماں پہ نہ جا بے سر و ساماں ہو جا

(۲۰۸) بدہ مرا تو خدایا دریں خجستہ سفر / ہزار نصرت و شادی ہزار فتح و ظفر
بحرمتِ سہ محمد بحق چہار علیؑ / بدو حسنؑ و حسینؑ و موسیٰؑ و جعفرؑ

اے خدا! اس نیک سفر میں تو مجھے ہزار نصرت (مدد) اور خوشی اور ہزار فتح و ظفر عطا فرما۔ تجھے تین محمد اور چار علیؑ اور دو حسنؑ اور ایک حسینؑ اور ایک موسیٰؑ اور ایک جعفرؑ (علیہم السلام اجمعین) کا واسطہ۔

ائمہ اثنا عشری میں چار اماموں کا نام علیؑ ہے تین کا محمد۔ دو کا حسنؑ۔ ایک کا حسینؑ۔ ایک کا موسیٰؑ اور ایک کا جعفرؑ۔

(۲۰۹)
تا چند حدیث قامت و زلف نگار — تا کے باشی طالب بوس و کنار
گر زانکہ نئی دروغ زن عاشق وار — در عشق چو او ہزار چوں او بگذار

کب تک تو محبوب کے قد و زلف کی باتیں بناتا رہے گا۔ اور کب تک تو بوس و کنار کا آرزومند رہے گا۔ اگر تو جھوٹا اور دروغ باف نہیں تو اس جیسے کے عشق میں اس جیسے ہزاروں کو چھوڑ دے۔ اقبال مرحوم ؎

مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے — نظارے کی ہوس ہے تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے

(۲۱۰)
آگاہ بزی اے دل و آگاہ بمیر — چوں طالب منزلی تو در راہ بمیر
عشق است بسان زندگانی ورنہ — زینساں کہ توئی خواہ بزی خواہ بمیر

اے دل! تو آگاہی کی حالت میں زندگی بسر کر اور آگاہی کی حالت میں جان دے۔ جب تو منزل کا طالب ہے تو راہ میں ہی جاں بحق ہو جا۔ عشق ہی میں کچھ زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ورنہ جو حالت تیری ہے ایسی زندگی اور موت برابر ہے۔ (یعنی زندگی کا حقیقی راز عشق ہی میں پنہاں ہے۔ جذبۂ عشق کے بغیر مرگ و زیست یکساں ہے)۔

(۲۱۱)
مجنون پریشان توام دستم گیر — سرگشتہ و حیران توام دستم گیر
ہر بے سروپا چو دستگیری دارد — من بے سروسامان توام دستم گیر

میں تیرا دیوانہ اور پریشاں خاطر ہوں میرا ہاتھ پکڑ۔ اور تیرا سرگشتہ و حیران ہوں میری امداد کر۔ ہر بے سروسامان آدمی کا کوئی نہ کوئی دستگیر ہوتا ہے میں تیرا بے سروسامان ہوں میری دستگیری کر۔

(۲۱۲)
دل خستہ و دل فگار و مژگاں خونریز — رفتم بر یار آں مہ مہر انگیز
من جائے نکردہ گرم گردوں بستیز — زد بانگ کہ ہاں چند نشینی برخیز

میں دل خستہ و دل فگار ہو کر اور آنکھوں سے خون بہاتا ہوا اس چاند سے مکھڑے والے اور محبت کرنے والے (محبوب) کے پاس گیا۔ میں ابھی اطمینان سے بیٹھا بھی نہ تھا کہ آسمان نے دشمنی سے للکار کر کہا کہ تو کب تک بیٹھا رہے گا۔ اٹھ اور چلتا بن۔

(۲۱۳)
من بودم و دوش آں بت بندہ نواز — از من ہمہ لابہ بود و از وے ہمہ ناز
شب رفت و حدیث ما بپایاں نرسید — شب را چہ گناہ حدیث ما بود دراز

کل میں تھا اور وہ بت بندہ نواز تھا۔ میں تو منت و خوشامد کرتا تھا اور وہ ہمہ تن ناز و غرور بنا ہوا تھا۔ رات

گزر گئی اور ہماری باتیں ختم نہ ہوئیں۔ رات کا کیا قصور ہماری باتیں ہی لمبی تھیں۔

(۲۱۴)
در ہر سحرے با تو ہمی گویم راز — بر درگہ تو ہمی کنم عرض نیاز
بے منت بندگانت اے بندہ نواز — کار من بیچارہ و سرگشتہ بساز

ہر سحرگاہ میں تجھ سے راز کی باتیں کہتا ہوں اور تیری بارگاہ میں عرض نیاز کرتا ہوں۔ اے بندہ نواز! تو اپنے بندوں کے احسان کے بغیر مجھ بیچارہ و سرگشتہ کی بگڑی بنا دے۔

(۲۱۵)
جہدی بکن ار پند پذیری دو سہ روز — تا پیشتر از مرگ بمیری دو سہ روز
دنیا زن پیر یست چہ باشد ار تو — با پیرہ زنے انس نگیری دو سہ روز

اگر تو نصیحت مانتا ہے تو دو تین روز جد و جہد کر تاکہ موت سے دو تین روز پہلے ہی مر جائے دنیا ایک بڑھیا عورت ہے اگر تو دو تین روز اس بڑھیا سے دل نہ لگائے تو کیا حرج ہے۔

(۲۱۶)
دل جز رہ عشق تو نپوید ہرگز — جز محنت و درد تو نجوید ہرگز
صحرائے دلم عشق تو شورستاں کرد — تا مہر کسے دراں نروید ہرگز

دل تیرے عشق کے علاوہ اور کسی راستے پر نہیں چلتا۔ اور تیرے درد و تکلیف کے سوا کسی چیز کی جستجو نہیں کرتا۔ تیرے عشق نے میرے صحرائے دل کو زمین شور بنا دیا ہے۔ تاکہ اس میں کسی دوسرے کی محبت پیدا نہ ہو۔

(۲۱۷)
تا روئے ترا بدیدم اے شمع طراز — نہ کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز
چوں با تو بوم مجاز من جملہ نماز — چوں بے تو بوم نماز من جملہ مجاز

اے شمع رو! جب سے میں نے تیرا روئے زیبا دیکھا ہے نہ کوئی کام کرتا ہوں اور نہ روزہ و نماز کے فرائض بجا لاتا ہوں۔ جب میں تیرے ساتھ ہوتا ہوں تو میرا مجاز بھی سراسر نماز ہوتا ہے اور تجھ سے جدا ہوتا ہوں تو میری نماز بھی مجاز (ظاہرداری) ہو جاتی ہے۔ بیت میں رہ ہے

من آں نیم کہ حلال از حرام نشناسم — شراب با تو حلال است و آب بے تو حرام

(۲۱۸)
اے حسنہ بیکساں عالم را کس — یک جو کرمت تمام عالم را بس
من بیکسم و تو بیکساں را یاری — یا رب تو بفریاد من بیکس رس

اے دنیا کے تمام بیکسوں کے والی! تیرے لطف و کرم کا ایک جو (مقدار قلیل) بھی تمام عالم کے لئے

کافی ہے میں بیکس ہوں اور تو بیکسوں کا یار و مددگار ہے۔ تو اے پروردگار! تو مجھ بیکس کی فریاد سن اور میری دستگیری کر۔

(۲۱۹)
شاہا ز دعائے مرد آگاہ بترس   وز سوز دل و آہ سحرگاہ بترس
بر لشکر و بر سپاہ خود غرہ مشو   از آمدن سیل ناگاہ بترس

مرد آگاہ - عارف و خدا رسیدہ۔

اے بادشاہ! تو مرد آگاہ کی دعا سے ڈر اور اس کے سوز دل اور آہ سحرگاہ سے خوف زدہ رہو۔ اپنے لشکر اور سپاہ پر مغرور نہ ہو۔ بلکہ ناگہانی طوفان کی آمد سے ڈر ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن   اجابت از در حق بہر استقبال مے آید

(۲۲۰)
نوروز شد و جہاں برآوردہ نفس   حاصل ز بہار عمر ما را غم و بس
از قافلۂ بہار نامد آواز   تا لالہ بباغ سرنگوں ساخت جرس

نوروز (موسم بہار) چلا گیا اور عالم آہیں بھرنے لگا۔ بہار عمر سے ہمیں صرف غم ہی حاصل ہوا ہے اس وقت قافلۂ بہار کی کچھ آواز نہ آئی جب تک باغ میں گل لالہ نے اپنے کو سرنگوں نہ کر دیا۔

(۲۲۱)
در دل دردیست از تو پنہاں کہ مپرس   تنگ آمدہ چنداں دلم از جاں کہ مپرس
با ایں ہمہ حال در چنیں تنگ دلی   جا کردہ محبت تو چنداں کہ مپرس

میرے دل میں تجھ سے پوشیدہ ایسا درد ہے کہ کچھ نہ پوچھ۔ اور میرا دل زندگی سے اس قدر تنگ آگیا ہے کہ کچھ نہ پوچھ اس حالت اور اس تنگ دلی کے باوجود تیری محبت نے میرے دل میں اس طرح گھر کر رکھا ہے کہ کچھ نہ پوچھ۔

(۲۲۲)
اے آئینۂ ذات تو ذات ہمہ کس   مرآت صفات تو صفات ہمہ کس
ضامن شدم از بہر نجات ہمہ کس   بر من بنویس سئیات ہمہ کس

اے خالق بے ہمتا! ہر شخص کی ذات تیری ذات کا آئینہ ہے اور ہر شخص کی صفات تیری صفات کا آئینہ (یعنی تمام مخلوقات من حیث ذاتہ و صفاتہ تیری ذات و صفات کی مظہر ہے۔ غالب ؎

ہے تجلی تری سامان وجود   ذرہ بے پرتو خورشید نہیں)

میں تمام دنیا کی نجات کا ذمہ دار ہو گیا ہوں تو ہر شخص کی برائیاں میرے نامۂ اعمال میں لکھ دے۔

(۲۲۳)
اللہ بفریاد من بیکس رس   لطف و کرمت یار من بیکس بس
ہر کس بکسے و حضرتے می نازد   جز حضرت تو ندارد ایں بیکس کس

اے اللہ! تو مجھ بیکس کی فریاد سن۔ تیرا لطف و کرم ہی مجھ بیکس کا یار کافی ہے ہر شخص کو کسی ہستی اور کسی بارگاہ پر ناز ہوتا ہے لیکن تیری بارگاہ کے سوا مجھ بیکس کا کوئی یار و غمگسار نہیں۔

(۲۲۴)
شاہی طلبی برو گدائے ہمہ باش   بیگانہ خویش آشنائے ہمہ باش
خواہی کہ ترا چو تاج بر سر دارند   دست ہمہ گیر و خاکپائے ہمہ باش

اگر تو بادشاہی کا طالب ہے تو جا اور تمام مخلوقات کی خدمت کر۔ اپنی ہستی سے بیگانہ اور سب کا آشنا ہو جا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تجھے تاج کی مانند سر پر رکھیں تو ہر ایک کی امداد و دستگیری کر اور سب کی خاکپا ہو جا۔

(۲۲۵)
تا در نزنی بہر چہ داری آتش   ہرگز نشود حقیقت حال تو خوش
ما را خواہی خطے بعالم در کش   کاندر یک دل دو دوستی ناید خوش

جب تک تو ہر ایک شے میں جو تیرے پاس ہے آگ نہ لگائیگا اس وقت تک حقیقی فرحت و شادمانی حاصل نہیں ہو سکتی اگر تو ہمارا طلبگار ہے تو دنیا و مافیہا کو ترک کر دے کیونکہ ایک دل میں دو کی محبت مناسب نہیں (رسم عاشق نیست با یک دل دو دلبر داشتن)۔ مولانا روم ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں   ایں خیال است و محال است و جنوں

اسی لئے کسی اردو شاعر نے کہا ہے ؎

ہم معتقد دعوئ باطل نہیں ہوتے   سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

(۲۲۶)
در میدان با سپر و تیر و ترکش باش   سر ہیچ بخود مکش بیا سرکش باش
گو خواہ زمانہ آب و خواہ آتش باش   تو شاد بزی و در میانہ خوش باش

میدان میں ڈھال اور تیر دان اپنے پاس رکھ اور کبھی غمگین و سرنگوں نہ ہو بلکہ ہمارے تعلق کی وجہ سے سربلند ہو خواہ زمانہ (تجھے غرق کرنے کے لئے) پانی ہو جائے۔ یا (تجھے جلانے کے لئے) آگ بن جائے (تو گرم و سرد زمانہ کی پرواہ نہ کرتا ہوا) خوش رہو اور مسرت سے زندگی بسر کر۔

(۲۲۷)
چوں ذات تو منتقی بود ای صاحب ہش   از نسبت اعمال بخود باش خمش
شیریں شلے شنو مکن روئے ترش   ثُبِّتْ لِلْعَرْشِ اَوَّلاً ثُمَّ انْقُشْ

اے خود مند! جب تیری ہی ہستی ہے۔ تو افعال کو اپنی طرف منسوب نہ کر تو ایک شیریں ضرب المثل سن اور تر شرو نہ ہو۔ یعنی ثبت للعرش ۔ ۔ الخ (پہلے تخت کو بنا اور پھر نقش کر)۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ کے عقیدہ "ہمہ اوست" کے اعتبار سے تمام کائنات کا وجود محض اعتباری ہے بلکہ تعینات و کثرت کے پردے میں وحدت بحت ہی کار فرما ہے۔ اس لئے جو اعمال و افعال ہم سے صادر ہوتے ہیں۔ ان کا فاعل حقیقی وہی ذات مطلق ہے۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ ۔ واضح ہو کہ ابتداء میں اس عقیدہ سے اکثر سالک قعر ضلالت میں گر کر نیل مرام سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لئے امور شرعی پر کاربند ہونا ضروری ہے۔ جب ریاضت مجاہدت کے ذریعہ خودی سے نجات حاصل ہو جائے اور سالک فانی اللہ کی منزل میں پہنچ جائے تو جائز ہے کہ افعال کی نسبت اپنی طرف نہ کرے کیونکہ غیر موجود نہیں ہوتا۔ و خوش گفت آنکہ گفت ؎

فخر بکری نے کیا میرے سوا کوئی نہیں	میں ہی میں ہوں اس جہاں میں دوسرا کوئی نہیں
جب نہ چھوڑی میں نے میں اس بے بہا بے اسانجے	پھیردی گردن پہ تیغ آکر چھری قضا نے
گوشت ہڈی اور چمڑا جو تھا جسم زار میں	کچھ پکا کچھ چھک گیا کچھ بک گیا بازار میں
اب رہیں آنتیں فقط میں میں سنانے کے لئے	لے گیا ندّاف انہیں دھنکی بنانے کے لئے
تانت پر پڑنے لگی چوٹیں تو گھبرانے لگی	میں کے بدلے تو ہی تو کی پھر صدا آنے لگی

ثبت ۔ ۔ الخ سے یہی مراد ہے۔ فنائے خودی کو تخت تیار کرنے سے تعبیر کیا ہے اور دعوئ الوہیت بمنزلۂ نقش و نگار ہے۔

(۲۲۸) سودائے تو ام در جنوں میزد دوش ۔۔۔ دریائے دو دیدہ موج خوں میزد دوش
در نیم شبی خیل خیال تو رسید ۔۔۔ ورنہ جانم خیمہ بروں میزد دوش

کل تیرا سودا جنوں کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا اور میری دونوں آنکھوں کا دریا خون کی موجیں مار رہا تھا نصف شب کو تیرے خیال کا لشکر آ پہنچا ورنہ میری روح کل اپنا خیمہ باہر نصب کر لیتی (یعنی قفس عنصری سے پرواز کر جاتی)۔

(۲۲۹) در خانۂ خود نشستہ بودم دل ریش ۔۔۔ وز بار گنہ فگندہ بودم سر پیش
آواز آمد کہ غم مخور اے درویش ۔۔۔ تو در خور خود کنی و ما در خور خویش

میں اپنے گھر میں زخمی دل لئے بیٹھا تھا اور بار گناہ کی وجہ سے اپنا سر جھکا رکھا تھا ندا آئی کہ اے درویش تو غم نہ کھا کیونکہ تو اپنی ذات کے مطابق افعال و اعمال کا مرتکب ہوتا ہے اور ہم اپنی عظمت و شان کے مطابق تجھے جزا و مغفرت سے بہرہ اندوز کرتے ہیں۔

(۲۳۰) آتش بدو دست خویش در خرمن خویش ۔۔۔ خود بر زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش ۔۔۔ ای وای من و دست من و دامن خویش

میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے خرمن میں آگ لگائی ہے تو دشمن کا گلہ و شکوہ کس طرح کروں۔ میرا کوئی دشمن نہیں ہے بلکہ میں خود ہی اپنا دشمن ہوں۔ مجھ پر اور میرے ہاتھ پر اور میرے دامن پر افسوس۔ ؎ باخود ار بد کردہ ام بد کردہ ام ۔۔۔ از کہ نالم چوں گنہ خود کردہ ام

(۲۳۱) پیوستہ مرا ز خالق جسم و عرض ۔۔۔ حاکہ ہمیں بود و ہمیں است غرض
کاں جسم لطیف را بخلوتگہ ناز ۔۔۔ فارغ بینم ہمیشہ ز آسیب و مرض

بخدا۔ جسم و عرض کے خالق سے میری ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے کہ اس جسم لطیف کو خلوت گاہ ناز میں ہر تکلیف اور مرض سے فارغ و آزاد دیکھوں۔

(۲۳۲) اے بر سر حرف این و آں ناز دہ خط ۔۔۔ پندار دوئی دلیل بعد است بسخط
در جملۂ کائنات بے سہو و غلط ۔۔۔ یک عین محتسب داں و یک ذات فقط

این و آں ۔ ایں اشارۂ قریب، آں اشارۂ بعید، مراد ما سویٰ ۔

تو نے ابھی تک ایں و آں کے حروف پر خط تنسیخ نہیں کھینچا۔ دوئی کا خیال ہی دوری کی بیّن دلیل ہے تمام موجودات میں کسی سہو و غلطی کے بغیر ایک ہی حقیقت اور ایک ہی ذات ہے ؎

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے ۔۔۔ تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے

(۲۳۳) گشتی بوقوف بر مواقف قانع ۔۔۔ شد قصد مقاصدت ز مقصد مانع
ہرگز نشود تا نکنے کشف حجب ۔۔۔ انوار حقیقت از مطالع طالع

تو دیدہ و دانستہ تعینات پر قانع ہو گیا ہے اور مقاصد دنیاوی کے حصول کا ارادہ تیرے مقصد حقیقی میں حائل ہو گیا ہے۔ جب تک کسی کی آنکھوں سے تعینات کے پردے نہیں اٹھتے انوار حقیقت اپنے مطالع سے طلوع نہیں ہوتے۔ یعنی انسان جب تک تعینات و کثرت میں مبتلا ہوتا ہے انوار حقیقت کے مشاہدہ سے قاصر رہتا ہے۔

(۲۲۴) برعود دلم نواخت یک زمزمۂ عشق — زاں زمزمہ ام زپائے تاسر ہمہ عشق
حقا کہ بعہدہا نیایم بیروں — از عہدۂ حق گذاری یک دمہ عشق

عود - ایک ساز کا نام ہے۔
میرے دل کے ساز پر عشق نے ایک زمزمہ بجایا اس زمزمہ سے میں سراپا عشق بن گیا تھا تو یہ ہے کہ ایک لمحۂ عشق کا اگر میں حق ادا کرنا چاہوں تو سالہا سال تک اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

(۲۲۵) کی باشد کہ لباس ہستی شدہ شق — تاباں گشتہ جمال وجہ مطلق
دل در سطوات نور او مستہلک — جاں در غلبات شوق او مستغرق

وہ وقت کب آئیگا کہ لباس ہستی چاک ہوگا۔ اور وجہ مطلق کا جمال جلوہ افروز ہوگا دل اس کے نور کے جلال میں فنا اور جان اس کے غلبۂ شوق میں مستغرق ہوگی۔

(۲۲۶) ما را شدہ است رسم و آئیں ہمہ عشق — بستر ہمہ محنت است و بالیں ہمہ عشق
سبحان اللہ رخے و چندیں ہمہ حسن — انا اللہ دلے و چندیں ہمہ عشق

ہمارا رسم و آئیں (شریعت و طریقت) سراسر عشق ہو گیا ہے۔ بستر بھی ہمارا ہی عشق ہے اور تکیہ بھی ہی عشق
سبحان اللہ! ایسا چہرہ کہ سراسر حسن ہے اور انا اللہ! ایسا دل کہ سراپا عشق ہے۔

(۲۲۷) داماں غنائے عشق پاک آمد و پاک — زآلودگی نیاز با مشتے خاک
چوں جلوہ گر و نظارگی جملہ کیست — گر ما و تو درمیاں نباشیم چہ باک

مشت خاک - مراد مادہ، وجود و جسم۔
عشق کی بے نیازی کا دامن مشت خاک کی حاجت کی آلودگی سے سراسر پاک و بے لوث ہے چونکہ وہ خود ہی جلوہ نما اور خود ہی جلوہ بیں بھی ہے اس لئے اگر "ہم اور تو" درمیان میں نہ ہوں تو حرج نہیں۔
"مطلب یہ کہ ذات باریتعالیٰ اسماء و صفات سے معرّا ہے۔ اسماء و صفات سے اتصاف مبنی بر تقاضائے ظہور ہے ورنہ ذات مطلق تمام موجودات کے وجود سے بھی مستغنی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ ان اللہ لغنی عن العالمین۔ (ماخذ) ؎

واجب ز وجود نیک و بد مستغنی است — واحد ز مراتب عدد مستغنی است
در خود ہمہ را چو جاوداں می بیند — از دیدن شاں بہ میل ز خود مستغنی است

(۲۲۸) خلقاں ہمہ بر درگہت اے خالق پاک — ہستند پئے قطرۂ آبے غمناک
سقائے سحاب را بفرما از لطف — تا آب زند بر سرایں مشتے خاک

اے خالق پاک! تمام مخلوقات تیرے دروازے پر قطرۂ آب کے لئے غمناک ہے۔ تو اپنے لطف و کرم سے ابر کے سقہ کو حکم دے کہ وہ اس مشت خاک پر پانی چھڑک دے۔

(۲۲۹) یَا مَنْ بِكَ حَاجَتِیْ وَرُوْحِیْ بِیَدَیْكَ — عَنْ غَیْرِكَ اَعْرَضْتُ وَاَقْبَلْتُ اِلَیْكَ
مَا لِیْ عَمَلٌ صَالِحٌ اَسْتَظْهِرُ بِهٖ — قَدْ جِئْتُكَ رَاجِیًا تَوَكَّلْتُ عَلَیْكَ

اے وہ ہستی! جس کا میں محتاج ہوں اور جس کے قبضۂ قدرت میں میری روح ہے میں تیرے غیر سے اعراض و روگردانی کر کے تیری ہی طرف متوجہ ہوا ہوں میرے نامۂ اعمال میں کوئی عمل صالح نہیں جس پر میں بھروسہ کروں محض تیری رحمت کا امیدوار ہو کر آیا ہوں اور تجھی پر بھروسہ کرتا ہوں ؎

گر در علم آنچہ ترا شاید نیست — اندر کرمت آنچہ مرا باید ہست

(۲۳۰) حق تعالیٰ کہ مالک الملک است — لَیْسَ فِی الْمُلْكِ غَیْرُہٗ مَالِكٌ
مے رساند بیک دگر ما را — اِنَّهٗ قَادِرٌ عَلٰی ذٰلِكَ

حق تعالیٰ جو ملک کا مالک ہے اور تمام جہان میں اس کے سوا کوئی دوسرا مالک نہیں۔ وہ ہمیں ایک سے ملاتا ہے اور البتہ وہ اس بات پر قادر ہے۔

(۲۳۱) دستی کہ زدی بناز در دست تو چنگ — چشمے کہ ز دیدنت ز دل بردی زنگ
آں چشم بہ بست بے تو ام چہرہ بخوں — ایں دست بکوفت بی تو ام سینہ بسنگ

وہ ہاتھ جو ناز سے تیری زلف پر چنگل (پنجہ) مارتا تھا اور وہ آنکھ جو تیرے دیدار سے دل سے زنگ کدورت کو دور کرتی تھی۔ آج اس آنکھ نے تیرے فراق میں خونیں آنسو بہا بہا کر میرے چہرے کو لتھڑ دیا ہے اور اس ہاتھ نے تیری جدائی میں پتھر سے میری سینہ کوبی کی ہے۔

(۲۳۲) بر چہرہ ندارم ز مسلمانی رنگ — دارد بر من شرف سگ اہل فرنگ
آں رو سیاہم کہ باشد از بودن من — دوزخ را ننگ و اہل دوزخ را ننگ

میرے چہرے پر مسلمانی کی کوئی علامت نہیں اس لئے اہل فرنگ کا کتا بھی مجھ پر فوقیت رکھتا ہے میں ایسا رو سیاہ ہوں کہ میری موجودگی دوزخ اور اہل دوزخ کے لئے بھی باعث ننگ و عار ہوگی۔

(۲۴۳) تا شیر بدم شکار من بود پلنگ — پیروز شدم بہر چہ کردم آہنگ
تا عشق ترا ببر در آوردم تنگ — از بیشہ بروں کرد مرا روبۂ لنگ

جب تک میں شیر تھا تو میرا شکار چیتا تھا اور میں جس کام کا بھی ارادہ کرتا تھا کامیاب و منصور ہوتا تھا لیکن جب میں نے تیرے عشق کو پہلو میں جگہ دی تو ایک لنگڑی لومڑی نے مجھے جنگل سے باہر نکال دیا۔

(۲۴۴) سر مست بدشت خاوراں لالۂ آل — چوں دانۂ اشک عاشقاں در مہ و سال
بنمود چو حسن دوست از پردہ جمال — چوں صورت حال من شدش صورت حال

لالۂ سرخ دشت خاوراں میں سرمست ہو رہا تھا۔ جس طرح ہر سال و ماہ میں عشاق کے آنسوؤں کے قطرے (سرخ) ہوتے ہیں۔ جب حسن دوست نے پردے سے اپنا جمال دکھایا تو میری صورت حال کی مانند اس کی بھی صورت حال ہو گئی۔

(۲۴۵) در باغ کجا روم کہ نالد بلبل — بے تو چہ کنم جلوۂ سرو و سنبل
یا قد تو ہست آنچہ می دارد سرو — یا روئے ہست آنچہ می دارد گل

میں باغ میں کہاں جاؤں جہاں بلبل سرگرم نالہ و فریاد ہے اور سرو و سنبل کے جلوے کو تیرے بغیر کیا کروں۔ یا تو سرو تیرا قد رکھتا ہے یا پھول کے پاس تیرا ہی چہرہ ہے۔

(۲۴۶) اے چاردہ سالہ مہ کہ در حسن و جمال — ہمچو مہ چاردہ رسیدی بکمال
یارب نرسد بجنت آسیب زوال — در چاردہ سالگی بمانی صد سال

اے چودہ برس کے چاند! کہ حسن و جمال میں چودھویں کے چاند (مہ کامل) کی مانند کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ خدا کرے کہ تیرے حسن کو زوال کا صدمہ نہ پہنچے۔ بلکہ "چودہ برس کا سن ترا لاکھوں برس رہے"۔

(۲۴۷) اے عہد تو عہد دوستان سرپل — از عہد تو کیں خیزد واز مہر تو ذل
اے یکشبہ ہمچو شمع و یکروزہ چو گل — پر ولولہ و میاں تہی ہمچو دہل

تیرا عہد دوستان سرپل کے عہد کی مانند بودا اور نا استوار ہے اور تیرے عہد سے کینہ اور تیری محبت سے ذلت پیدا ہوتی ہے تیری زندگی شمع کی مانند ایک ہی رات کے لئے اور تیری بہار پھول کی طرح ایک ہی دن کے واسطے ہے۔ شور و شر تو بہت ہے لیکن ڈھول کی طرح اندر سے خالی ہے۔

---

(۲۴۸) گر با غم عشق سازگار آید دل — بر مرکب آرزو سوار آید دل
گر دل نبود کجا وطن سازد عشق — در عشق نباشد بچہ کار آید دل

اگر دل غم عشق کے ساتھ موافقت پیدا کر لے تو وہ آرزو کے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ اگر دل نہ ہو تو عشق اپنا وطن کہاں بنائے اور اگر عشق نہ ہو تو دل کس کام آئے۔

(۲۴۹) با خود در وصل تو کشودن مشکل — دل را بفراغ آزمودن مشکل
مشکل حالے و طرفہ مشکل حالے — بودن مشکل با تو نہ بودن مشکل

خودی کے ساتھ تیرے وصل کا دروازہ کھولنا مشکل ہے اور دل کو فراغت کے ساتھ آزمانا یعنی جدائی میں سکون و اطمینان کے ساتھ بسر کرنا بھی مشکل ہے۔ ہم عجیب مشکل میں گرفتار ہیں کہ تیرا وصال حاصل کرنا بھی مشکل ہے اور فراق میں جینا بھی دشوار ہے

غرض دو گونہ عذاب است جان مجنوں را

(۲۵۰) ہر نعت کہ از قبیل خیراست و کمال — باشد ز نعوت ذات پاک متعال
ہر وصف کہ در حساب شر است و وبال — دارد بقصور قابلیات مآل

ہر ایک امر جو نیکی اور کمال سمجھا جاتا ہے خدائے بزرگ و برتر کی صفات میں سے ہے اور ہر وصف جو شر اور وبال میں شمار ہوتا ہے وہ ہماری قابلیتوں کے قصور کے مطابق انجام پذیر ہوتا ہے۔ یعنی خیر مقتضائے ذات ہے اور شر مقتضائے غیر۔

(۲۵۱) ہر جا کہ وجود سیر کردہ اے دل — میدان یقیں کہ محض خیر است اے دل
ہر شر ز عدم بود عدم غیر وجود — پس شر ہمہ مقتضائے غیر است اے دل

اے دل! جہاں وجود مطلق نے اثر کیا ہے تو یقین کر کہ وہاں خیر محض ہے ہر شر عدم سے ہوتا ہے اور عدم غیر وجود ہے پس شر سراسر غیر کے اقتضا سے ہے۔

(۲۵۲) شیدائے ترا روح مقدس منزل — سودائے ترا عقل مجرد محمل
سیاح جہان معرفت یعنی دل — در بحر غمت دست بسر پائے بگل

تیرے عاشق کی منزل روح مقدس ہے اور تیرے جنون عشق کے لئے عقل مجرد محمل ہے عرفان و آگہی کی دنیا کا سیاح یعنی دل تیرے بحر غم میں سر پر ہاتھ اور کیچڑ میں پاؤں رکھتا ہے (یعنی حیران و عاجز ہے)۔

(۲۵۳)
پرسید یکے منزل آں مہرگسل — گفتم کہ دل من است اورا منزل
گفتا کہ دلت کجاست گفتم بر او — پرسید کہ او کجاست گفتم در دل

کسی نے اس بے مروت کے گھر کا پتہ پوچھا۔ میں نے کہا کہ اس کا گھر میرا دل ہے۔ پوچھا کہ تیرا دل کہاں ہے میں نے کہا اس کے پاس۔ اس نے پھر دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے میں نے کہا دل میں۔

(۲۵۴)
آزردہ ترم گرچہ کم آزار ترم — بے یار ترم گرچہ وفادار ترم
باہر کہ وفا و صبر بیشش کردم — سبحان اللہ بچشم او خوار ترم

اگرچہ میں کسی کو آزار و تکلیف نہیں پہنچاتا پھر بھی سب سے زیادہ آزردہ خاطر ہوں اور اگرچہ میں سب سے زیادہ وفادار ہوں میرا کوئی یار و غمگسار نہیں۔ جس کسی کے ساتھ میں نے وفا و صبر زیادہ کیا۔ خدا کی شان! اسی کی آنکھوں میں زیادہ ذلیل و خوار ہوں ؎

مطلب پرست دوست نہ آئے فریب میں — بیٹھا رہا لئے ہوئے دام وفا کو میں

(۲۵۵)
گر دست تضرع بدعا بردارم — بیخ و بن کوہ باز جا بردارم
لیکن ز تفضلات معبود احد — فَاصْبِرْ صَبْراً جَمِیْلاً از بر دارم

اگر میں تضرع و زاری کے ساتھ دست بدعا ہوں تو پہاڑوں کو جڑ سے اکھیڑ دوں لیکن باریتعالیٰ کی عنایات سے فاصبر صبراً جمیلاً از بر رکھتا ہوں (یعنی صبر جمیل سے کام لیتا ہوں اور کسی کو بددعا نہیں دیتا)

(۲۵۶)
مشہور و خفی چو گنج در فانوسم — پیدا و نہاں چو شمع در فانوسم
القصہ دریں چمن چو بید مجنوں — مے بالم و در ترقی معکوسم

میں گنج در فانوس کی طرح ظاہر بھی ہوں اور پوشیدہ بھی۔ اور میں شمع کی مانند ہوں جو فانوس کے اندر پیدا (ظاہر) بھی ہوتی ہے اور پنہاں بھی۔ القصہ اس باغ جہان میں بید مجنوں کی طرح بڑھتا ہوں مگر ترقی معکوس ہی کرتا ہوں۔ (بید مجنوں کی شاخیں جس قدر بڑھتی ہیں زمین کی طرف جھکتی جاتی ہیں)۔

(۲۵۷)
بے مہری آں بہانہ جو می دانم — بے درد و ستم عادت او می دانم
جز جور و جفا عادت آں بدخو نے — من شیوۂ یار خو بکو می دانم

اس بہانہ جو کی بے مہری کو میں جانتا ہوں اور میں اس کی عادت سے آگاہ ہوں کہ وہ بیدرد و ستم شعار ہے اس بدخو کی عادت جور و جفا کے سوا اور کچھ نہیں میں اپنے یار کی عادت و خو کو خوب جانتا ہوں۔

(۲۵۸)
نی باغ نہ بستان نہ چمن میخواہم — نی سرو نہ گل نہ یاسمن میخواہم
خواہم ز خدائے خویش کنجے کہ در آں — من باشم و آں کسے کہ من میخواہم

نہ مجھے باغ، بستان اور چمن کی خواہش ہے نہ سرو، گل اور یاسمن کی آرزو ہے میں اپنے خدا سے ایک ایسا گوشہ مانگتا ہوں جہاں میں ہوں اور وہ جس کی مجھے تمنا ہے (یعنی معشوق)۔

(۲۵۹)
تپ را کردم در آب و آتش کشتم — یک چند بہ تعویذ و کتابش کشتم
بازش یک بار در عرق کردم غرق — چوں لشکر فرعون در آبش کشتم

مجھے بخار آگیا۔ میں نے اس کو آب و آتش سے مارا۔ کچھ مدت تو میں نے تعویذ اور کتاب (قرآن مجید) سے اس کو روکا۔ پھر یکبارگی پسینہ میں غرق کر دیا۔ گویا میں نے لشکر فرعون کی طرح اسے پانی یا دریا (آب بمعنی دریا بھی آتا ہے۔ لشکر فرعون رود نیل میں غرق ہوا تھا) میں ڈبو دیا۔

(۲۶۰)
دی شب کہ بکوے یار می گردیدم — دانی کہ پئے چہ کار می گردیدم
قربان خلاف وعدہ اش می گشتم — گرد سر انتظار می گردیدم

کل رات میں کوچۂ یار میں چکر کاٹ رہا تھا۔ تجھے معلوم ہے کہ میں کس واسطے پھر رہا تھا۔ میں اس کی وعدہ خلافی پر قربان اور انتظار پر نثار ہو رہا تھا۔

(۲۶۱)
ما بائے و مستی سر تقوے داریم — دنیا طلبیم و میل عقبے داریم
کے دنیا و دیں ہر دو بہم آید راست — ایں است کہ ما نہ دیں نہ دنیا داریم

ہم کو مے و مستی کے باوجود تقویٰ و پرہیزگاری کا خیال ہے۔ دنیا کی خواہش بھی ہے اور عقبیٰ کی آرزو بھی۔ دنیا و دین کبھی ایک جگہ ٹھیک جمع نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نہ دین رکھتے ہیں نہ دنیا۔

(۲۶۲)
مابین دو عین یار از نون تا میم — بینی الفے کشیدہ بر صفحۂ سیم
نے نے غلطم کہ از کمال اعجاز — انگشت نبی است کردہ مہ را بہ دو نیم

دو عین۔ دو آنکھیں۔ نون۔ ابرو۔ میم۔ دہن۔ الف۔ ناک۔ صفحۂ سیم۔ چہرہ۔
یار کی دو آنکھوں کے درمیان نون سے میم تک اس چاندی کے صفحہ پر تو ایک الف لکھا ہوا دیکھیگا۔ نہیں نہیں میں نے غلط کہا۔ بلکہ کمال اعجاز سے انگشت نبی (صلعم) نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا ہے (تلمیح بہ معجزۂ شق القمر)۔

(۲۶۳) روزے زپئے گلاب می گردیدم — پژمردہ عذارِ گل در آتش دیدم
گفتم کہ چہ کردۂ کہ می سوزندت — گفتا کہ دریں باغ دمی خندیدم

ایک روز میں گلاب کی جستجو میں پھر رہا تھا کہ میں نے پھول کے پژمردہ چہرے کو آگ میں پڑا ہوا دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ تو نے ایسا کونسا گناہ کیا ہے کہ تجھے جلا رہے ہیں اس نے جواب دیا کہ میں اس باغ میں تھوڑی دیر ہنسا تھا۔ بابا طاہر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

کارم ہمہ نالہ و خروشست امشب — نے صبر پدیدست و نہ ہوشست امشب
دوشم خوش بود ساعتے پنداری — کفارۂ خوشدلی دوشست امشب

(۲۶۴) تا بردی ازیں دیار تشریف قدوم — بر دل رقم شوق تو دارم مرقوم
ایں غصہ مرا کشت کہ ہنگام وداع — از دولت دیدار تو گشتم محروم

جب سے آپ اس دیار سے تشریف لے گئے ہیں میں اپنے دل پر آپ کے شوق کی تحریر نقش کئے ہوئے ہوں۔ اس رنج نے مجھے مار ڈالا کہ وداع کے وقت میں تیری دولت دیدار سے محروم رہا۔

(۲۶۵) نالم کہ قرین محنت و افغانم — ہر لحظہ ز ہجراں بلب آمد جانم
محروم ز خاک آستانت زانم — کز سیل سرشک خود گذر نتوانم

جب سے میں محنت و فریاد میں مبتلا ہوں۔ ہر لحظہ ہجر کی وجہ سے میری جان لبوں پر آئی ہوئی ہے میں تیری خاک آستاں (در دولت) سے اس لئے محروم ہوں کہ اپنے آنسوؤں کے سیلاب سے گذر نہیں سکتا۔

(۲۶۶) عمرے بہوس باد ہوا پیمودم — در ہر کارے خون جگر پالودم
و اکنوں چہ زدم دست زغم فرسودم — دست از ہمہ باز داشتم آسودم

ایک مدت تو میں حرص و ہوس کی وجہ سے خاک چھانتا رہا اور ہر کام میں خون جگر پیتا رہا۔ میں نے جس کام میں ہاتھ ڈالا غم سے گھلتا رہا۔ اب جبکہ میں نے تمام اشیاء سے ہاتھ اٹھا لیا ہے تو آسودہ و فارغ البال ہوں۔

(۲۶۷) با یاد تو با دیدۂ تر مے آیم — وز بادۂ شوق بے خبر مے آیم
ایام فراق چوں بسر آمدہ است — من نیز بسوئے تو بسر مے آیم

بسر آمدن۔ ختم ہونا۔ سر کے بل چلنا۔

میں تیری یاد میں اشکبار آنکھیں لے کر آتا ہوں اور شراب شوق سے بےخود و سرمست ہو کر آ رہا ہوں۔ چونکہ فراق کا زمانہ ختم ہو گیا ہے لہذا میں بھی تیری طرف سر ہی کے بل آتا ہوں ؎

کوچۂ یار میں جاؤں گا تو مثل خورشید — پاس آداب سے میں سر ہی کے بل جاؤں گا

(۲۶۸) گر در سفرم توئی رفیق سفرم — ور در حضرم توئی انیس حضرم
ہر جا کہ نشینم و بہر جا گذرم — جز تو نبود ہیچ مراد دگرم

اگر میں سفر میں ہوں۔ تو میرا رفیق سفر تو ہی ہے اور اگر میں حضر (گھر) میں ہوں تو وہاں بھی میرا مونس و غمخوار تو ہی ہے۔ میں جس جگہ بیٹھتا ہوں اور جہاں سے گزرتا ہوں۔ تیرے سوا میری اور کوئی مراد نہیں ہوتی۔

(۲۶۹) در حضرت پادشاہ دوراں مائیم — در دائرۂ وجود سلطاں مائیم
منظور خلائق است ایں سینۂ ما — پس جام جہاں نمائے خلقاں مائیم

جام جہاں نما۔ جمشید کا پیالہ۔ اس کے دو حصے تھے ایک میں زمانہ گذشتہ کے اور دوسرے میں زمانہ آئندہ کے حالات معلوم ہوتے تھے۔

بادشاہ زمانہ کی بارگاہ میں ہم ہی ہیں (یعنی انسان ہی کو خداوند قدوس کی بارگاہ میں رسائی حاصل ہے لہذا) دائرۂ وجود میں سلطان ہم ہی ہیں (یعنی اشرف المخلوقات ہیں) ہمارا سینہ منظور خلائق ہے گویا ہم مخلوق کے لئے جام جہاں نما ہیں۔

(۲۷۰) دی تازہ گلے ز گلشن آورد نسیم — کز نکہت آں مشام جاں یافت شمیم
نے نے غلطم کہ صفحۂ بود از سیم — مشکیں رقمش معطر از خلق کریم

کل رات گلشن سے نسیم ایک تازہ پھول لائی جس کی خوشبو سے مشام جاں معطر ہو گیا۔ نہیں نہیں میں نے غلط کہا۔ چاندی کا ایک ورق تھا جس کی سیاہ تحریر خلق کریم سے معطر تھی۔

(۲۷۱) نہ از سر کار با خلل مے ترسم — نے نیز ز تقصیر امل مے ترسم
ترسم کہ گناہ نیست آمرزش ہست — از سابقۂ روز ازل مے ترسم

نہ تو مجھے اپنے کام کے بگڑنے کا ڈر ہے نہ آرزوؤں کے پورا نہ ہونے کا خوف ہے۔ گناہ تو معدوم ہیں اور بخشش و مغفرت موجود ہے۔ لہذا میں سابقۂ روز ازل سے ڈرتا ہوں ؎

شرمندہ ازانیم کہ در دیر مکافات — اندر خور عفو تو نہ کردیم گناہے

(۲۷۲) ایں بخت ندارم کہ بکامت بینم — یا در گذرے ہم بسلامت بینم
وصل تو بہیچ گونہ دستم ناید — تا مست بنویسم و بنامت بینم

میں ایسا خوش نصیب نہیں کہ تجھے اپنی آرزو کے مطابق دیکھوں یا کسی راستہ ہی میں تجھے بخیریت دیکھ لوں۔ تیرا وصل کسی طرح بھی میسر نہیں ہوتا لہٰذا میں تیرا نام لکھ کر اسی کی طرف دیکھتا رہتا ہوں

(۲۷۳) چوں آں شدہ ام کہ دید نتوانندم — تا پیش تو اے نگار بنشانندم
چوں ذرہ بخورشید ہمی پیوندد — خورشید توئی بذرہ من مانندم

اے محبوب! میں اس قدر نحیف و نزار ہو گیا ہوں کہ مجھے تیرے روبرو بٹھانے کے لئے ڈھونڈھتے ہیں تو نظر بھی نہیں آتا۔ خورشید کے ساتھ ذرہ مل جاتا ہے۔ تو خورشید ہے اور میں ذرہ کی مانند ہوں

(۲۷۴) بے چشم تو یاد نرگس تر نکنم — بے لعل تو آرزوئے کوثر نکنم
گر خضر بمن بے تو دہد آبحیات — کافر باشم کہ بے تو لب تر نکنم

میں تیری آنکھ کے بغیر نرگس تر کا خیال نہیں کرتا اور تیرے لعل لب کے سوا حوض کوثر کی آرزو نہیں کرتا اگر تیرے بغیر خضر مجھے آب حیات دے تو میں کافر ہونے کی قسم کھاتا ہوں کہ اس سے لب بھی تر نہ کروں گا۔

(۲۷۵) ما قبلۂ طاعت آں دو رو می دانیم — ایماں سر زلف مشک بو می دانیم
با اینہمہ دلدار بما نیکو نیست — ما طالع خویش را نکو می دانیم

ہم ان دو رخساروں کو قبلۂ طاعت خیال کرتے ہیں اور زلف مشکیں کے خیال کو ایمان سمجھتے ہیں ان تمام باتوں کے باوجود دوست کے تعلقات ہمارے ساتھ خوشگوار نہیں۔ ہم اپنے نصیب کو خوب جانتے ہیں (یعنی سخت بد نصیب ہیں)۔

(۲۷۶) زآمیزش جان و تن توئی مقصودم — وز مردن و زیستن توئی مقصودم
تو دیر بزی کہ من برفتم ز میاں — گر من گویم ز من توئی مقصودم

جان و تن کی آمیزش سے میرا مقصود تو ہی ہے اور موت و زیست سے بھی تو ہی مطلوب ہے۔ تو دیر تک زندہ رہو کہ میں درمیان سے اٹھ گیا ہوں (یعنی اپنی خودی کو فنا کر دیا ہے) اب اگر میں "من" کہتا ہوں تو اس سے میرا مقصود تو ہی ہے۔ محمود شبستری رح ؎

چو ہست مطلق آید در عبارت — بلفظ "من" کنند از وے اشارت

٧١

(۲۷۷) بے درد تو اندیشۂ درماں نکنم — بے زلف تو آرزوئے ایماں نکنم
جاناں اگر جاں طلبی خوش باشد — اندیشۂ جاں برائے جاناں نکنم

(میں تیرے درد کا اس قدر خوگر ہو گیا ہوں کہ اس (درد) کے سوا کسی علاج معالجہ کی فکر نہیں کرتا اور تیری زلف کے بغیر ایمان کی آرزو نہیں کرتا (شعراء زلف کو کفر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں) جان من اگر تو جان بھی مانگے تو اچھا ہے کیونکہ میں جاناں کے لئے جان کی پروا نہیں کرتا۔

(۲۷۸) از جملۂ دردہائے بے درمانم — وز جملۂ سوز داغ بے تابانم
سوزندہ تر است آنکہ چوں مردم چشم — در چشم منی و دیدنت نتوانم

میرے تمام بے علاج دردوں اور تمام غیر واضح داغوں کے سوز میں سے سوزندہ تر یہ بات ہے کہ تو آنکھ کی پتلی کی طرح میری آنکھوں میں ہے مگر میں تجھے دیکھ نہیں سکتا۔ لمولفہ ؎

جس طرح پھول کی آغوش میں ہوتی ہے شمیم — میری آنکھوں میں وہ رہتے ہیں نظر کی صورت

اور خواجہ میر درد رحمہ اللہ نے خوب کہا ہے ؎

تجھ سے دیکھا سب کو اور تجھ کو نہ دیکھا ہوں نگاہ — تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

(۲۷۹) شمعم کہ بپردہ نہاں فرو می گریم — می خندم و ہر زماں فرو می گریم
چوں ہیچ کس از گریہ من آگہ نیست — خوش خوش بمیاں جاں فرو می گریم

میں شمع کی مانند در پردہ چھپکے چھپکے روتا ہوں۔ اگرچہ (بظاہر) ہنستا ہوں لیکن (فی الحقیقت) ہر وقت اندر ہی اندر روتا ہوں۔ کوئی شخص میرے رونے سے آگاہ نہیں اس لئے میں خوب اچھی طرح دل ہی دل میں روتا ہوں۔

(۲۸۰) تا چند بگرد سر ایماں گردم — وقت است کہ از کردہ پشیماں گردم
خاکم ز کلیسیا و آبم ز شراب — کافر تر ازانم کہ مسلماں گردم

میں کب تک ایمان پر قربان ہوتا رہوں گا اب وقت ہے کہ اپنے کئے پر پشیمان ہو جاؤں (ایمان کو خیرباد کہہ دوں) میری مٹی کلیسیا کی ہے اور پانی شراب کا (یعنی کفر میری سرشت ہی ہے) میں کفر کی اس حد تک پہنچ چکا ہوں کہ اب مسلمان ہونا غیر ممکن ہے۔

(۲۸۱) ہر چند کہ دل بوصل شاداں کردیم — دیدیم کہ خاطرت پریشاں کردیم
خوش باش کہ ما خوئے بہجراں کردیم — بر خود دشوار بر تو آساں کردیم

ہر چند ہم نے تیرے وصل سے دل خوش کر لیا مگر پھر دیکھا کہ ہم نے تیرا دل پریشان کر دیا تو خوش ہو
کیونکہ ہم نے اپنے آپ کو ہجر کا خوگر بنا لیا ہے اور اپنے لئے مشکل اور تیرے واسطے آسانی پیدا کر دی ہے۔

(۲۸۲)
یادت کنم ار شاد و گر غمگینم — تا مست برم ار خیزم اگر بنشینم
با عشق تو خوکردہ ام اے دوست چنانکہ — در ہر چہ نظر کنم ترا مے بینم

میں خوش و خرم ہوں یا غمگین بہر حال تجھی کو یاد کرتا ہوں اور اٹھتے بیٹھتے تیرا ہی نام لیتا ہوں
اے دوست! میں تیرے عشق کا اس قدر خوگر ہو گیا ہوں کہ جس چیز میں نظر کرتا ہوں تجھی کو دیکھتا ہوں ؎

بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی — ہر چہ پیدا می شود از دور پندارم توئی۔

(۲۸۳)
ہر چند گہے ز عشق بیگانہ شویم — با عافیت آشنا ہم خانہ شویم
ناگاہ پری رخے بما بر گذرد — برگردم ازاں حدیث و دیوانہ شویم

ہر چند کبھی ہم عشق سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور عبادت خانہ کی عافیت پسندی اختیار کر لیتے ہیں ناگاہ کوئی پری رخسار سامنے سے گذر جاتا ہے (یعنی تیری تجلی نظر آ جاتی ہے) اور ہم اس بات سے درگذر کر کے پھر دیوانہ بن جاتے ہیں۔

(۲۸۴)
در مصطبہ ہا درد کشاں ما باشیم — بدنامی ہا را نام و نشاں ما باشیم
از بد تر انی کہ تو شاں می بینی — چوں نیک بہ بینی بدتر شاں ما باشیم

شراب خانوں میں تلچھٹ پینے والے ہم ہیں اور بدنامیوں کے نام و نشان ہم ہیں جن برے لوگوں کو تو دیکھ رہا ہے اگر تو غور سے دیکھے تو ہم ان سے بھی زیادہ برے ہیں۔

اندر طلب یار چو پروانہ شدم — اوّل قدم از وجود بیگانہ شدم
او علم نمی شنید لب بر بستم — او عقل نمی خرید دیوانہ شدم

میں یار کی آرزو میں پروانہ ہو گیا اور پہلے ہی قدم پر اپنے وجود سے بیگانہ بن گیا۔ وہ علم نہیں سنتا تھا اس لئے میں نے لب بند کر لئے اور وہ عقل کا خریدار نہ تھا لہٰذا میں دیوانہ ہو گیا (یعنی عشق میں علم و عقل کو خیرباد کہہ دیا)۔ اقبال مرحوم ؎

عقل نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن — عشق نے مجھ سے کہا عقل ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن کرم کتابی نہ بن — عقل ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب

(۲۸۶)
اندوہ تو از دل حزیں می وزدم — تا مست ز زبان آن و ایں می وزدم
می نالم و قفل بر دہاں می فگنم — می گریم و خوں در آستیں می وزدم

تیرے غم عشق کو میں دل حزیں سے پوشیدہ رکھتا ہوں اور تیرا نام زید و بکر کی زبان سے چھپاتا ہوں۔ میں روتا ہوں مگر منہ پر قفل لگا لیتا ہوں۔ میں گریہ وزاری کرتا ہوں مگر خون کو آستین میں چھپا لیتا ہوں۔

؎ الفت کا جب مزا ہے کسی کو گماں نہ ہو — جل بجھیے اس طرح سے کہ مطلق دھواں نہ ہو

(۲۸۷)
غمناکم و از در تو با غم نروم — جز شاد و امیدوار و خرم نروم
از در گہ ہمچو تو کریمے ہرگز — نومید کسے نرفت و من ہم نروم

میں غمناک تو ہوں مگر تیرے دروازہ سے غمگین نہ جاؤں گا۔ خوش و خرم اور امیدوار رحمت ہونے کے سوا یہاں سے نہ جاؤں گا۔ تیرے ایسے کریم کی بارگاہ سے نہ تو کوئی مایوس و نومید گیا ہے اور نہ ہی میں جاؤں گا۔

(۲۸۸)
ببریدہ ز من نگار ہمخانگیم — بدریدہ ز من لباس فرزانگیم
مجنوں بہ نصیحت دلم می آید — بنگر بکجا رسیدہ دیوانگیم

میرے محبوب نے میرے ساتھ رہنا چھوڑ دیا اور میرا دانائی کا لباس چاک چاک ہو گیا۔ اب مجنوں میرے دل کو نصیحت کرنے کے لئے آتا ہے تو دیکھ کہ میری دیوانگی کہاں تک پہنچ گئی ہے۔

(۲۸۹)
از عشق تو اے نگار اندر نارم — می سوزم و می سازم و دم بر نارم
تا دست بگردن تو اندر نارم — آشفتہ بجنوں چو انار اندر نارم

مصرعہ اوّل۔ نار۔ آتش۔ — مصرعہ دوم و سوم۔ نارم۔ از آوردن مصدر
” چہارم۔ نار۔ انار۔

اے محبوب! میں تیرے عشق کی وجہ سے آگ میں پڑا ہوں۔ جلتا ہوں، صبر کرتا ہوں اور دم نہیں مارتا۔ جب تک اپنا ہاتھ تیری گردن میں نہ ڈالوں گا۔ انار دانہ کی طرح آشفتہ بجنوں رہونگا۔

(۲۹۰)
ما طی بساط ملک ہستی کردیم — بے نقص خودی خدا پرستی کردیم
بر بادۂ وصل نیک می پیوندد — تف بر رخ کہ زود مستی کردیم

ہم نے ملک ہستی کی بساط کو لپیٹ دیا اور خودی کے نقص کے بغیر خدا پرستی کی۔ ہم کو شراب وصل خوب پلاتے رہے مگر افسوس اس بات پر ہے کہ ہم جلدی مدہوش و سرمست ہو گئے۔

(۲۹۱) گر خلق چنانکہ من منم دانندم ہمچوں سگ از در بدر رانندم
ورزانکہ درون بروں بگردانندم مستوجب آنم کہ بسوزا نندم

اگر لوگ جیسا کہ میں ہوں مجھے جان لیں تو کتے کی طرح مجھے اپنے دروازہ سے دھتکار دیں اور اگر الٹ پلٹ کر میرے ظاہر و باطن کو دیکھ لیں تو میں اس بات کا سزاوار ہوں کہ مجھے جلا دیں۔

(۲۹۲) یارب ز گناہ زشت خود منفعلم وز قول بد و فعل بد خود خجلم
فیضے بدلم ز عالم قدس رساں تا محو شود خیال باطل ز دلم

اے پروردگار! میں اپنے برے گناہوں سے شرمسار و نادم ہوں اور اپنے برے اقوال و افعال سے شرمندہ ہوں۔ تو عالم قدس سے میرے دل پر کوئی فیض بھیج تاکہ میرے دل سے خیال باطل محو ہو جائے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً۔

(۲۹۳) ہرگز نبود شکست کس مقصودم آزردہ نشد ز من دلے تا بودم
صد شکر کہ چشم عیب بینم کوراست شادم کہ حسود نیستم محسودم

کسی کو تکلیف دینا ہرگز میرا مقصود نہیں اور کبھی بھی مجھ سے کسی کا دل آزردہ نہیں ہوا۔ صد شکر کہ میری عیب بیں آنکھ اندھی ہے۔ اور میں خوش ہوں کہ حاسد نہیں بلکہ محسود ہوں۔

(۲۹۴) از بیم رقیب طوف کویت نکنم وز طعنۂ خلق گفتگویت نکنم
لب بندم و از پائے نشینم اما ایں نتوانم کہ آرزویت نکنم

رقیب کے خوف سے میں تیرے کوچہ کا طواف نہیں کرتا اور لوگوں کے طعنہ کے ڈر سے تیرا ذکر نہیں کرتا۔ میں خاموشی اور سکون اختیار کر لیتا ہوں لیکن یہ غیر ممکن ہے کہ تیری آرزو بھی نہ کروں۔

(۲۹۵) چوں دائرہ ما ز پوست پوشان توایم در سلسلۂ حلقہ بگوشان تو ایم
گر بنوازی ز جاں فروشان توایم ور ننوازی ہم از خموشان تو ایم

ہم دائرہ کی طرح تیرے پوستیں پوشوں میں سے ہیں۔ اور تیرے اطاعت گزار حلقہ بگوشوں کے سلسلہ میں سے ہیں۔ اگر تو نوازش کرے تو تیرے جاں نثاروں میں سے ہیں اور اگر لطف و نوازش نہ کرے تو بھی تیرے ہی خاموش رہنے والوں میں سے ہیں۔

---

(۲۹۶) ہر چند بصورت از تو دور افتادم زنہار مبر ظن کہ شدی از یادم
در کوئے وفائے تو اگر خاک شوم زانجا نتواند کہ رباید بادم

اگرچہ بظاہر میں تجھ سے دور پڑا ہوں لیکن ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ تو مجھ کو یاد نہیں رہا۔ اگر میں تیری وفا کے کوچہ میں خاک بھی ہو جاؤں تو ہوا مجھے وہاں سے اڑا کر نہیں لیجا سکتی۔

(۲۹۷) یک جو ز ایام نداریم و خوشیم گر چاشت بود شام نداریم و خوشیم
چوں پختہ بما میرسد از عالم غیب از کس طمع خام نداریم و خوشیم

ما یحتاج زندگی میں سے ہمارے پاس ایک جو بھی نہیں اور ہم خوش ہیں۔ اگر صبح کا کھانا ہمارے پاس ہو اور شام کا نہ ہو تو پھر بھی خوش ہیں۔ چونکہ عالم غیب سے ہمیں پکی پکائی مل جاتی ہے لہٰذا ہم کسی سے طمع خام نہیں رکھتے اور خوش ہیں۔

(۲۹۸) چوں عود نبود چوب بید آوردم روئے سیہ و موئے سپید آوردم
تو خود گفتی کہ نا امیدی کفر است بر قول تو رفتم و امید آوردم

چونکہ عود نہ تھا اس لئے میں بید ہی کی لکڑی لے آیا۔ اور سیاہ چہرہ اور سفید بال لے کے آیا۔ تو نے خود کہا تھا کہ ناامیدی کفر ہے۔ میں تیرے قول پر عمل کرتے ہوئے امید لایا ہوں۔

(۲۹۹) گر پارہ کنی مرا ز سر تا بقدم موجود شوم ز عشق تو من ز عدم
جانے دارم ز عشق تو کردہ رقم خواہیش بشادی کش و خواہیش بغم

اگر تو مجھے سر سے لے کر پاؤں تک ٹکڑے ٹکڑے کر دے تو میں تیرے عشق کی بدولت عدم سے موجود ہو جاؤں۔ میں ایسی جان رکھتا ہوں جس پر تیرے عشق کی تحریر ہے خواہ تو اس کو خوشی کے ساتھ مار دے خواہ غم کے ساتھ۔

(۳۰۰) بے روئے تو رائے استقامت نہ کنم کس را بہوائے تو ملامت نہ کنم
در جستن وصل تو اقامت نہ کنم از عشق تو توبہ تا قیامت نہ کنم

استقامت۔ ٹھہرنا۔

تیرے دیدار کے بغیر ٹھہرنے کا ارادہ نہ کرونگا اور تیری محبت میں کسی کو ملامت نہ کرونگا تیرے وصل کی جستجو میں کہیں قیام نہ کرونگا۔ اور تاقیامت تیرے عشق سے توبہ نہ کرونگا۔

(۳۰۱) ما جز بغم عشق تو سر نفرازیم　　تا سر داریم در غمت در بازیم
گر تو سر ما بے سر و ساماں داری　　ما ئیم و سرے در قدمت اندازیم

ہم تیرے عشق کے بغیر سر بلند نہیں کریں گے۔ جب تک سر ہے اس کو تیرے عشق میں قربان کرتے رہیں گے۔ اگر تو ہم بے نواؤں کا خیال رکھتا ہے تو ہم اپنا سر تیرے قدموں پر نثار کر دیں گے۔

(۳۰۲) در کوئے تو سر در سر خنجر بنہیم　　چوں مہرۂ جاں عشق تو در بر بنہیم
نامردم اگر عشق تو از دل بکنیم　　سودائے تو کافرم گر از سر بنہیم

تیرے کوچے میں سر کو خنجر پر رکھ دوں گا اور مہرۂ جان کی طرح تیرا عشق سینے میں رکھوں گا۔ اگر تیری محبت کو دل سے نکالوں تو نامرد ہوں گا اور اگر تیرے جنوں کو سر سے باہر کروں تو کافر ہوں گا۔

(۳۰۳) من لائق عشق و درد عشق تو نیم　　زنہار کہ ہم نبرد عشق تو نیم
چوں آتش عشق تو بر آرد شعلہ　　من دانم و من کہ مرد عشق تو نیم

میں تیرے عشق اور درد عشق کے قابل نہیں ہوں۔ اور ہرگز تیرے عشق کا حریف (مرد مقابل) نہیں ہوں۔ جب تیرے عشق کی آگ شعلہ خیز ہوتی ہے تو میں ہی جانتا ہوں کہ تیرے عشق کا مرد میدان نہیں ہوں۔

(۳۰۴) عشق تو ز خاص و عام پنہاں چکنم　　دردے کہ ز حد گذشت درماں چکنم
خواہم کہ دلم بدیگرے میل کند　　من خواہم و دل نخواہد ایں را چکنم

تیرے عشق کو خاص و عام سے کس طرح پوشیدہ کروں۔ جو درد حد سے گزر چکا ہے اس کا درماں کیا کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا دل کسی دوسرے کی طرف مائل ہو جائے مگر میری خواہش کے باوجود دل نہیں چاہتا تو میں کیا کروں۔

(۳۰۵) دارم ز خدا خواہش جنات نعیم　　زاہد بہ ثواب و من بامید عظیم
من دست تہی میروم او تحفہ بدست　　تا زیں دو کدام خوش کند طبع کریم

میں خداوند قدوس سے جنت النعیم کا خواہاں ہوں۔ زاہد تو اپنے عوض ثواب کے خیال سے جنت کا طالب ہے اور میں اس کی شان مغفرت کی امید عظیم کی بدولت اس کا آرزو مند ہوں۔ میں خالی ہاتھ جا رہا ہوں اور وہ (زاہد) ہاتھ میں تحفہ لئے ہوئے ہے۔ دیکھیں ان دونوں میں سے اس سخی طبیعت کو کون خوش کرتا ہے۔ (یعنی خداوند تعالیٰ گناہگار کو بخشتا ہے یا زاہد کو)۔

(۳۰۶) ما در رہ سودائے تو منزل کردیم　　سوزیست مرا کہ آتش بدل کردیم
در شہر مرا میان چشم می خوانند　　نیکو نامی ز عشق حاصل کردیم

ہم نے تیرے جنون عشق کے راستے میں ڈیرے جما لئے ہیں اور مجھے ایسا سوز حاصل ہے کہ جس نے دل میں آگ لگا رکھی ہے۔ شہر میں لوگ مجھے آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ میں نے یہ نام نیک عشق ہی کی بدولت حاصل کیا ہے۔

(۳۰۷) جہدے بکنم کہ دل ز جاں برگیرم　　راہ سر کوئے دلستاں برگیرم
چوں پردہ میان دل و دلدار منم　　برخیزم و خود راز میاں برگیرم

میں کوشش کرتا ہوں کہ دل کو جان سے ہٹا لوں اور محبوب کے کوچے کا راستہ لوں۔ چونکہ دل اور دلدار کے مابین میں ہی پردہ ہوں لہٰذا میں اٹھتا ہوں اور اپنے آپ کو درمیان سے اٹھا لیتا ہوں۔

(۳۰۸) سرمایۂ غم ز دوست آساں ندہم　　دل بر نکنم ز دوست تا جاں ندہم
از دوست کہ یادگار دردے دارم　　آں درد بصد ہزار درماں ندہم

میں غم عشق کا سرمایہ بآسانی ہاتھ سے نہیں دوں گا اور جب تک جان نہ چلی جائے محبوب سے دل نہ ہٹاؤں گا۔ دوست کی یادگار میرے پاس ایک درد ہی ہے لہٰذا میں اس درد کو ہزار ہا علاج کے عوض بھی نہیں دوں گا۔

(۳۰۹) یارب ز کمال لطف خاصم گرداں　　واقف بحقائق خواصم گرداں
از عشق جفا کار دل افگار شدم　　دیوانۂ خود کن و خلاصم گرداں

اے پروردگار! کمال مہربانی سے مجھ کو اپنا خاص مقرب بنالے اور اپنے خاص بندوں کے حقائق سے آگاہ کر دے۔ میں عشق جفا کار کے ہاتھوں دل فگار ہو گیا ہوں لہٰذا اپنا دیوانہ بنا کر مجھے اس کے پنجے سے آزاد کر دے۔

(۳۱۰) یارب تو مرا بیار دمساز رساں　　آوازۂ درد من بہم آواز رساں
آنکس کہ من از فراق او غمگین ام　　او را بمن و مرا باو باز رساں

اے پروردگار! تو مجھ کو یار دمساز تک پہنچا دے اور میرے درد کا آوازہ اور میری بھی اس تک پہنچا دے جس شخص کے فراق میں میں غمگین ہو رہا ہوں اس کو مجھ تک اور مجھ کو اس تک پہنچا دے۔

(۳۱۱) فریاد ز سنگ روئی و رنگی شاں　　وز چشم سیاہ و صورت زنگی شاں
از اول شب تا بدم آخر شب　　اینہا ہمہ در رقص و منم چنگی شاں

ان کے چقندرلے چہرے اور رنگ اور سیاہ آنکھ اور حبشی صورت سے فریاد ہے۔ اول شب سے آخر شب تک یہ تو سب ناچتے رہے اور میں ان کی سارنگی بنا رہا (یعنی نالہ و فریاد کرتا رہا)۔

(۳۱۲)
بختے نہ کہ با دوست در آمیزم من — صبرے نہ کہ از عشق بپرہیزم من
دستے نہ کہ با قضا در آویزم من — پائے نہ کہ از زمانہ بگریزم من

نہ میں ایسا خوش قسمت ہوں کہ دوست کے ساتھ اختلاط نصیب ہو۔ نہ اتنا صبر ہے کہ عشق سے پرہیز کروں۔ نہ ایسا ہاتھ ہے کہ قضا و قدر کے ساتھ دست و گریبان ہو سکوں اور نہ ہی پاؤں کہ زمانہ سے بھاگ جاؤں۔

(۳۱۳)
اے نالہ گرت دمیست اظہاری کن — وآں غافلِ مست را خبرداری کن
اے دستِ محبت و ولایت بدر آ — وے باطنِ شرعِ مصطفیٰؐ کاری کن

اے نالہ اگر تجھ میں دم ہے تو ظاہر کر اور اس غافل مست کو خبردار کر دے۔ اے ولایت و محبت کے ہاتھ باہر نکل (میری مدد کر) اور اے شرعِ محمدیؐ کے باطن کوئی کام کر (بگڑی بنا دے)۔

(۳۱۴)
افتادہ بہم بگوشۂ بیتِ حزن — غمہائے جہاں مونسِ غمخانۂ من
یارب تو بفضلِ خویش دندانِ مرا — بخشائے بروحِ حضرتِ اویسِ قرنؓ

دنیا بھر کے غم جو میرے غمخانہ کے مونس ہیں، میرے بیت حزن (غمخانہ) کے گوشہ میں پڑے ہیں۔ اے خدا! اپنے لطف و کرم سے حضرت اویس قرنیؓ کی روح کے طفیل میرے دانتوں کو نجات دے۔

(۳۱۵)
یارب ز قناعتم توانگر گرداں — وز نورِ یقیں دلم منوّر گرداں
آمالِ منِ سوختۂ سرگرداں — بے منّتِ مخلوق میسّر گرداں

اے خدا! تو قناعت سے مجھ کو توانگر بنا دے اور نور یقین سے میرے دل کو منور کر دے۔ مجھ دل سوختہ و سرگرداں کی آرزوئیں مخلوق کے احسان کے بغیر پوری کر دے۔

(۳۱۶)
رویت دریائے حسن و لعلت مرجاں — زلفت عنبر صدف دہن دُر دنداں
ابرو کشتی و چینِ پیشانی موج — گرداب بلا غبغب و چشمت طوفاں

تیرا چہرہ دریائے حسن اور لعل لب مرجان ہے۔ تیری زلف عنبر، منہ صدف اور دانت موتی ہیں۔ ابرو کشتی اور پیشانی کی شکن موج ہے اور غبغب گرداب بلا اور آنکھ طوفان ہے۔

(۳۱۷)
تا لعلِ تو دلفروز خواہد بودن — کارم ہمہ آہ و سوز خواہد بودن
گفتی کہ بخانۂ تو آیم روزے — آں روز کدام روز خواہد بودن

جب تک تیرا لعل لب دلفروز ہے میرا کام سراسر آہ و نالہ اور سوز و گداز رہے گا۔ تو نے کہا تھا کہ کسی روز تیرے گھر آؤں گا۔ تو وہ کون سا روز ہوگا۔

(۳۱۸)
جان است و زبان است زبان دشمنِ جاں — گر جانت بکار است نگہدار زباں
شیریں سخنی بگفت شاہِ سخناں — سر برگ درختست زبان باد خزاں

جان ہے اور زبان ہے اور زبان جان کی دشمن ہے اگر تجھے جان کی ضرورت ہے تو زبان کی نگہداشت کر۔ شاہ سخن نے کیا ہی شیریں بات کہی ہے۔ کہ سر درخت کا پتہ اور زبان باد خزاں ہے ؎

بہ طبعم ہیچ مضموں بہ ز لب بستن نمی آید — خموشی معنئی دارد کہ در گفتن نمی آید

(۳۱۹)
ہستی بصفاتے کہ درو بود نہاں — وارد سریاں در ہمہ اعیانِ جہاں
ہر وصف ز عینے کہ بود قابلِ آں — بر قدرِ قبولِ عین گشت است عیاں

ہستی (مطلق) ان صفات کے ساتھ جو اس میں پوشیدہ ہیں تمام اعیان جہاں (موجودات) میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ ہر وصف اس عین سے جو اس کے قابل ہے اس عین کی قابلیت و استعداد کے مطابق ظاہر ہوا ہے

(۳۲۰)
شوریدہ دلے و قصہ گردوں گردوں — گریاں چشمے و اشک جیحوں جیحوں
کاہیدہ تنے و شعلہ خرمن خرمن — ہر شعلہ ز کوہِ قاف افزوں افزوں

ایک شوریدہ دل ہے۔ اور اس کے لئے آسمانوں کے رونے ہیں ایک رونے والی آنکھ ہے اور آنسوؤں کے دریاؤں کے دریا ہیں۔ ایک ضعیف و ناتواں جسم ہے اور شعلوں کے کھلیان کے کھلیان ہیں۔ جن میں سے ہر ایک شعلہ کوہ قاف سے بھی بڑا ہے۔

(۳۲۱)
رخسارِ تو بے نقاب دیدن نتواں — دیدارِ تو بے حجاب دیدن نتواں
مادام کہ در کمالِ اشراق بود — سرچشمۂ آفتاب دیدن نتواں

مادام۔ ہمیشہ۔ اشراق۔

تیرے چہرے کو بے نقاب نہیں دیکھ سکتے اور تیرا دیدار بے حجاب نہیں دیکھ سکتے۔ جب تک پوری آب و تاب میں ہو سرچشمۂ آفتاب کو نہیں دیکھ سکتے ؎

کیسی نظرِ حباب جو مانع ہو نور کا
دریا سے قطرہ قصد کرے کیا عبور کا

(۳۲۲)
دردرگہ ما دوستی یک دلہ کن — ہر چیز کہ غیر ماست آں را یلہ کن
یک صبح باخلاص بیا بر در ما — گر کار تو بر نیاید آنگہ گلہ کن

ہماری درگاہ میں یکسوئی و یک دلی کے ساتھ دوستی کر اور جو چیز ہماری غیر ہے اس کو ترک کر دے ایک صبح تو خلوص و صدق کے ساتھ ہمارے دروازے پر آ پھر اگر پھر بھی تیرا کام نہ بنے تو گلہ و شکایت کر۔

(۳۲۳)
فریاد ز دست فلک پیرو بن — کاندر بر من نہ نو بہشت و نہ کہن
با اینہمہ نیز شکر مے باید کرد — گر زیں بترم کند کہ گوید کہ مکن

اس بوڑھے آسمان کے ہاتھوں فریاد ہے کہ اس نے میرے پاس نہ کوئی نئی چیز چھوڑی نہ پرانی اس پر بھی شکر کرنا چاہئے کیونکہ اگر وہ مجھے اس سے بھی بدتر کر دے تو کون کہہ سکتا ہے کہ نہ کر۔

(۳۲۴)
بحریست وجود جاوداں موج زناں — زاں بحر ندیدہ غیر موج اہل جہاں
از باطن بحر موج بیں گشتہ عیاں — بر ظاہر بحر و بحر در موج نہاں

وجود ایک بحر ہے جو ہمیشہ موجزن ہے اہل جہان نے اس بحر سے موج کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا تو دیکھ کہ بحر کے باطن سے ایک موج بحر کے ظاہر سطح پر نمودار ہوئی اور بحر موج میں پوشیدہ ہو گیا۔

(۳۲۵)
با گل رخ خویش گفتم اے غنچہ دہاں — ہر لحظہ مپوش چہرہ چوں عشوہ دہاں
زد خندہ کہ من بعکس خوبان جہاں — در پردہ عیاں باشم و بے پردہ نہاں

میں نے اپنے گل رخسار محبوب سے کہا کہ اے غنچہ دہن! ناز کرنے والوں کی طرح مجھ سے ہر وقت چہرہ نہ چھپا۔ خندہ زن ہو کر کہنے لگا کہ میں خوبان جہاں کے برعکس پردہ میں ظاہر اور بے پردہ پوشیدہ ہوتا ہوں۔

(۳۲۶)
زد شعلہ بدل آتش پنہانیٔ من — زاندازہ گذشت محنت جانیٔ من
معذورم اگر سخن پریشاں افتاد — معلوم شود مگر پریشانیٔ من

اندرونی آگ نے میرے دل میں شعلہ بھڑکا دیا اور میری جان کی تکلیف حد سے متجاوز ہو گئی اگر میں ایسی بہکی باتیں کرتا ہوں تو معذور ہوں اور اس سے میری پریشانی معلوم ہوتی ہے۔

(۳۲۷)
بنگر بجہاں سرّ الٰہی پنہاں — چوں آبحیات در سیاہی پنہاں
پیدا آمد ز بحر ماہی انبوہ — شد بحر ز انبوہی ماہی پنہاں

غور سے دیکھ سرّ الٰہی دنیا ہی میں پوشیدہ ہے جس طرح آبحیات سیاہی کے اندر پنہاں ہے دریا کے اندر ہی سے بکثرت مچھلیاں پیدا ہوئیں اور ان مچھلیوں کی کثرت کی وجہ سے دریا چھپ گیا۔

(۳۲۸)
چوں حق بتفاصیل شئوں گشت عیاں — مشہود شد ایں عالم پر سود و زیاں
گر باز روند عالم و عالمیاں — با رتبۂ اجمال حق آیند نہاں

جب حق تعالیٰ موجودات کی تفصیل کے ساتھ عیاں ہوا تو یہ عالم سود و زیاں کے ساتھ ظاہر ہوا اگر عالم اور اہل عالم (بعنوائے کل شیٔ یرجع الی اصلہ) پھر اپنی اصلیت کی طرف رجوع کریں تو حق تعالیٰ کے مرتبۂ اجمال میں پوشیدہ ہو جائیں۔

(۳۲۹)
ای در ہمہ شان ذات تو پاک از ہمہ شین — نے در حق تو کیف تواں گفت نہ این
از روئے تعقل ہمہ غیرند صفات — با ذات تو وز روئے تحقق ہمہ عین

تیری ذات ہر ایک شان میں تمام عیوب سے پاک ہے اور تیرے متعلق ایسا اور ویسا نہیں کہہ سکتے۔ یعنی تیری کنہ ذات تک پہنچنا غیر ممکن ہے۔ عقلاً تمام صفات تیری ذات سے جدا ہیں لیکن از روئے تحقیق (وہ صفات) عین ذات ہیں۔

(۳۳۰)
دنیا گذراں، محنت دنیا گذراں — نی پیدراں ماند و نی بر پسراں
تا بتوانی عمر بطاعت گذراں — بنگر کہ فلک چہ می کند با دگراں

دنیا فانی ہے اور دنیا کی تکلیف و محنت بھی فانی ہے نہ تو وہ اسلاف پر رہی ہے اور نہ ہی اخلاف پر رہے گی۔ جہاں تک ممکن ہو عبادت میں زندگی بسر کر اور دیکھ کہ دوسروں کے ساتھ آسمان کیسا سلوک کرتا ہے۔ (یعنی ان کے حالات سے عبرت حاصل کر)۔

(۳۳۱)
گر سقف سپہر گردد آئینۂ چیں — ور تختۂ فولاد شود روئے زمیں
از روزئ تو کم نشود داں بیقیں — میداں کہ چنیں است چنیں است چنیں

اگر آسمان کی چھت آئینۂ چینی بن جائے اور روئے زمیں تختۂ فولاد ہو جائے (یعنی حصول روزی کے تمام ظاہری وسائل مفقود ہو جائیں) تو یقین رکھ کہ تیری روزی سے کچھ کم نہ ہو گا۔ بلا شک و شبہ ایسا ہی ہو گا۔

(۳۳۲)
درویشی کن و قصد در شاہ مکن — وز دامن فقر دست کوتاہ مکن
اندر دہن مار شو و مال مجوے — در چاہ نشین و طلب جاہ مکن

تو درویشی کر اور بادشاہ کے دروازے کا ارادہ نہ کر اور دامن فقر کو ہاتھ سے نہ چھوڑ۔ سانپ کے منہ میں چلا جا اور مال کی جستجو نہ کر۔ کنج میں بیٹھ جا مگر جاہ و منصب کا خواستگار نہ ہو۔

(۳۳۳) اے زلف مسلسلت بلائے دل من   مے لعل لبت گرہ کشائے دل من
من دل ندہم وے بہ ورائے دل تو   تو دل ندہی اگر ورائے دل من

تیری زلف مسلسل (دراز) میرے دل کے لئے بلا ہے اور تیرا لعل لب میرے دل کی گرہ کھولنے والا ہے۔ اگر تو میرے دل کے سوا کسی اور کو دل نہ دے تو میں تیرے دل کے سوا کسی اور کو دل نہ دونگا۔

(۳۳۴) بر گوش دلم ز غیب آواز رساں   مرغ دل خستہ را بپرواز رساں
یارب کہ بدوستیٔ مردان رہت   ایں گمشدۂ مرا بمن باز رساں

میرے گوش دل میں غیب سے آواز پہنچا اور مرغ دل خستہ کو پرواز کی طاقت مرحمت فرما۔ اے پروردگار اپنے اہل طریقت کی دوستی کی طفیل میرے اس گم شدہ کو پھر مجھ تک پہنچا دے۔

(۳۳۵) اے خالق ذوالجلال و حق رحمٰن   سازندۂ کارہائے بے ساماناں
خصمان مرا مطیع من مے گرداں   بے رحماں را رحیم من مے گرداں

اے خالق ذوالجلال اور اے خدائے رحیم اے بے سر و سامان لوگوں کی بگڑی بنانے والے تو میرے دشمنوں کو میرا مطیع اور بے رحموں کو مہربان و رحیم بنا دے۔

(۳۳۶) اے چشم من از دیدن رویت روشن   از دیدن رویت شدہ خرم دل من
رویت شدہ گل خرم و خنداں گشتہ   روشن مہ من گشتہ ز رویت دل من

میری آنکھ تیرے دیدار سے روشن اور میرا دل تیرے چہرے کے نظارے سے خوش و خرم ہو گیا ہے تیرا چہرہ پھول بن کر خرم و خنداں ہو گیا ہے اور اے میرے چاند میرا دل تیرے چہرے کو دیکھ کر روشن ہو گیا ہے۔

(۳۳۷) در راہ یگانگی نہ کفر است و نہ دیں   یک گام ز خود بروں نہ و راہ ببیں
اے جان جہاں تو راہ اسلام گزیں   با مار سیہ نشیں و با خود منشیں

وحدت و یگانگت کی راہ میں نہ کفر ہے نہ دین۔ تو اپنی خودی سے ایک قدم باہر رکھ اور راستہ دیکھ لے اے جان جہاں! تو مذہب اسلام اختیار کر۔ اور مار سیہ کے ساتھ بیٹھنا گوارا کر لے مگر خودی کے ساتھ نہ بیٹھ (مطلب یہ کہ ترک خودی ہی اسلام یعنی دین حق ہے)۔

(۳۳۸) شد دیدہ بعشق رہنمون دل من   تا کردہ پر از غصہ درون دل من
زنہار دلم اگر نماند روزے   از دیدہ طلب کنند خون دل من

میری آنکھ عشق میں دل کی راہنما ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس نے میرے دل کو غم و غصہ سے لبریز کر دیا اب اگر کسی دن میرا دل نہ رہا تو آنکھ سے میرے دل کا خون طلب کریں گے۔ کیونکہ یہ بلا ظاہر ہوئی۔

اگر چشموں نہ وین روئے زیبا   چہ دونو دل کہ خوبوں در کجا ہے

(۳۳۹) از ساحت دل غبار کثرت رفتن   بہ زانکہ بہرزہ در وحدت سفتن
مغرور سخن مشو کہ توحید خدا   واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

دل کے میدان کو غبار کثرت سے صاف کرنا۔ بیہودہ وحدت کے موتی پرونے (یعنی مسئلہ توحید پر فصیح و بلیغ تقریر کرنے) سے بہتر ہے۔ تو کلام پر مغرور نہ ہو کیونکہ توحید الٰہی واحد دیکھنا ہے نہ واحد کہنا ع

قال را بگذار و مرد حال شو

(۳۴۰) دارم المے ز چرخ چنداں چنداں   با گریہ تواں گفت نہ خنداں خنداں
در و گہرم جملہ بتاراج برفت   واں در و گہر چہ بود دنداں دنداں

آسمان کے ہاتھوں مجھے وہ تکلیف ہے کہ نہ رو رو کر بیان ہو سکتی ہے نہ ہنس ہنس کر۔ میرے تمام در و گہر برباد ہو گئے۔ وہ در و گہر کیا تھے؟ محض دانت ہی دانت۔

(۳۴۱) اے آنکہ ترا ست عار از دیدن من   مہرت باشد بجائے جاں در تن من
آں دست نگار بستہ خواہم کہ گہے   با خون ہزار کشتہ در گردن من

تجھے تو میرے دیکھنے سے ننگ و عار ہے لیکن تیری محبت میرے جسم میں جان کی مانند ہے میں اس رنگین (نگار بستن۔ مہندی لگانا) ہاتھ کو جو ہزار شہیدوں کے خون سے رنگا ہوا ہے اپنی گردن میں دیکھنا چاہتا ہوں۔

(۳۴۲) یارب نظرے بر من سرگرداں کن   لطفی بمن دل شدہ حیراں کن
با من مکن آنچہ من سزائے آنم   آنچہ از کرم و لطف تو آید آں کن

اے پروردگار! مجھ سرگرداں کے حال پر نظر عنایت کر اور مجھ دلدادہ و حیران پر رحم و شفقت فرما میرے ساتھ وہ سلوک نہ کر جس کا میں سزاوار ہوں (یعنی سئیات اعمال کو مد نظر رکھتے ہوئے عذاب میں مبتلا نہ کر) بلکہ جو کچھ تیرے لطف و کرم کا تقاضا ہے وہ کر (یعنی عفو و درگذر)۔

(۳۴۳) سہل است مرا بر سرِ خنجر بودن | یا بہر مرادِ خویش بے سر بودن
تو آمدۂ کہ کافرے را بکشی | غازی چو توئی خوش است کافر بودن

میرے لئے خنجر کی نوک پر ہونا یا اپنی مراد کی خاطر سر کٹا دینا آسان ہے۔ تو اس لئے آیا ہے کہ کسی کافر کو قتل کرے۔ جب تیرے جیسا غازی ہو تو کافر ہونا بھی بہتر ہے۔

(۳۴۴) در راہِ خدا حجاب شد یکسوزن | رو جملہ کارِ خویش را یکسو زن
درماندۂ نفسِ خویش گشتی و مرا | یکسو غمِ مال و دختر و یکسو زن

(مصرعِ اوّل) یک ۔ سوزن (سوئی) ۔ ایک سوئی
(" دوم) یکسو (ایک طرف) ۔ زن (از زدن مصدر) ۔ ایک طرف کر دے۔
(" سوم) یکسو (ایک طرف) ۔ زن (عورت) ۔ ایک طرف عورت

راہِ خدا میں ایک سوئی حجاب ہو گئی تو جا اور اپنے تمام کام ایک طرف کر دے (چھوڑ دے) تُو تو اپنے نفس کے ہاتھوں عاجز اور درماندہ ہو رہا ہے اور مجھ کو ایک طرف مال اور اولاد کا غم ہے تو دوسری طرف بیوی کا خیال
ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم ؎

نہ سلیقہ مجھ میں خلیل کا نہ قرینہ مجھ میں کلیم کا | میں قتیلِ جادوئے سامری تو شہیدِ شیوۂ آذری
(در مصرعۂ اوّل ازیں رباعی تلمیح است بقصۂ سوزنِ عیسیٰ علیہ السلام)

(۳۴۵) ای غم گذرے بکوئے بدناماں کن | فکرِ من سرگشتہ بے ساماں کن
زاں ساغرِ لبریز کہ پُر می ز غم است | یک جُرعہ بکارِ بے سر انجاماں کن

اے غم ایک دفعہ بدناموں کے (یعنی ہمارے) کوچے میں آ اور مجھ سرگشتہ، بے سر و سامان کی کچھ فکر کر۔ اس بھرے ہوئے جام سے جو غم کی شراب سے لبریز ہے ایک گھونٹ بے سر انجاموں کو بھی پلا دے۔

(۳۴۶) اے شمع چو ابر گریہ و زاری کن | وی آہ جگر سوز سیہ داری کن
چوں بہرۂ وصل او نداری اے دل | دنداں بجگر نہ و جگر خواری کن

اے شمع! تو ابر کی مانند گریہ و زاری کر اور اے آہ جگر سوز سیہ داری کر۔ اے دل جب تو اس کے وصل سے بہرہ ور نہیں تو جگر میں دانت گاڑ دے اور جگر کو چبا ڈال۔

سیہ داری ۔ سیہ پوشی ، ماتم داری۔

(۳۴۷) خواہی کہ کسے شوی ز ہستی کم کن | ناخوردہ شرابِ وصل مستی کم کن
با زلفِ بتاں دراز دستی کم کن | بت را چہ گنہ تو بت پرستی کم کن

اگر تو چاہتا ہے کہ کچھ بن جائے تو اپنی ہستی کو مٹا دے، شرابِ وصل پئے بغیر مستی نہ کر اور حسینوں کی زلف کے ساتھ دراز دستی نہ کر۔ بت کا کیا قصور ہے تو بت پرستی نہ کر۔

(۳۴۸) رفتم بہ طبیب و گفتم از دردِ نہاں | گفتا کہ ز غیرِ دوست بر بند زباں
گفتم کہ غذا؟ گفت ہمیں خونِ جگر | گفتم پرہیز؟ گفت از ہر دو جہاں

میں طبیب کے پاس گیا اور اس کو پوشیدہ درد کا حال سنایا۔ اس نے کہا کہ دوست کے سوا (اور وں کے ذکر سے) زبان بند کر لے۔ میں نے کہا غذا (کیا کھاؤں) ؟ کہا یہی خونِ جگر۔ میں نے کہا پرہیز (کن چیزوں سے کروں) ؟ جواب دیا کہ دونوں جہاں سے
اقبال ؎
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

(۳۴۹) آں دوست کہ مستِ عشق او دشمنِ جاں | بر باد ہمی دہد غمش خرمنِ جاں
من در طلبش در بدر و کوی بکوی | او در دلِ و دوست کردہ در گردنِ جاں

وہ دوست جس کی شرابِ عشق کا سرشار اپنی جان کا دشمن ہوتا ہے اور جس کا درد خرمنِ جان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے میں اس کی آرزو میں در بدر اور کوچہ بکوچہ پھر رہا ہوں اور وہ میرے دل میں اور ہاتھ جان کی گردن میں ڈالے ہوئے ہے۔

(۳۵۰) اے عشقِ تو مایۂ جنونِ دلِ من | حسنِ رخِ تو ریختہ خونِ دلِ من
من دانم و دل کہ در وصالت چونم | کس را چہ خبر ز اندرونِ دلِ من

تیرا عشق میرے دل کے جنون کا سرمایہ ہے اور تیرے چہرے کے حسن نے میرے دل کا خون بہا دیا ہے، مجھ کو اور میرے دل ہی کو معلوم ہے کہ تیرے وصل میں کیسی گذر رہی ہے کسی کو میرے باطن کی کیا خبر ہے۔

(۳۵۱) بگریختم از عشقِ تو اے سیمیں تن | باشد کہ ز غم باز رہم مسکیں من
عشق آمد و از نیم رہم باز آورد | مانندۂ خونیاں رسن در گردنِ من

اے سیمیں تن! میں تیرے عشق سے بھاگا۔ اس خیال سے کہ شاید میں بیچارہ تیرے غم سے آزاد ہو جاؤں، عشق آیا اور خونیوں کی مانند میری گردن میں رسی ڈالے ہوئے مجھے آدھے راستہ سے واپس لے آیا۔

(٣٥٢) عشق آں صفتی نیست کہ بتواں گفتن　　ویں در بسر الماس نشاید سفتن
سوداست کہ سیز نم واللہ کہ عشق　　بکر آمد و بکر ہم بخواہد رفتن

عشق وہ صفت نہیں جو لفظوں میں ادا کی جا سکے اور یہ موتی ہیرے کی نوک سے نہیں بیدھا جاتا میں جھک مار رہا ہوں ورنہ عشق اچھوتا آیا ہے اور اچھوتا ہی جائیگا۔

(٣٥٣) مارا نبود دلے کہ کار آید ازو　　جز نالہ کہ ہر دمے ہزار آید ازو
چنداں گریم کہ کوچہا گل گردد　　نے روید و نالہائے زار آید ازو

ہمارے پاس ایسا دل نہیں کہ اس سے کوئی کام ہو سکے نالہ کے سوا جو ہر لحظہ وہ ہزار ہا کرتا ہے میں اس قدر روتا ہوں کہ گلیاں کیچڑ ہو جاتی ہیں۔ (اس کیچڑ سے) بانس اگتے ہیں اور (اس بانس کی بنی ہوئی بانسری سے) نالۂ زار پیدا ہوتا ہے۔

(٣٥٤) شب ہائے دراز اے دریغا بے تو　　دردے و فراق اے دریغا بے تو
تو خفتہ بناز اے دریغا بے تو　　من در تب و تاب اے دریغا بے تو

افسوس کہ تیرے بغیر دراز راتیں ہجر میں گذر رہی ہیں اور فراق اور میں تیرے بغیر وقت بسر ہوتا ہے تو ناز سے پڑا سوتا ہے مگر افسوس کہ میں تیرے ہجر میں تب و تاب میں مبتلا ہوں۔

(٣٥٥) سودائے سر بے سر و ساماں یکسو　　بی مہری چرخ و دور گرداں یکسو
اندیشۂ خاطر پریشاں یکسو　　اینہا ہمہ یکسو غم جاناں یکسو

ایک طرف بے سر و ساماں سر کا سودا و جنون ہے۔ ایک طرف آسمان گرداں کی بے مہری و بے مروتی ہے اور ایک طرف خاطر پریشان کے تفکرات ہیں۔ یہ سب ایک طرف ہیں اور غم معشوق ایک طرف۔

(٣٥٦) ای دل چو فراق یار دیدی خوں شو　　وی دیدہ موافقت بکن جیحوں شو
ای جاں تو عزیز تر نئہ از یارم　　بے یار نخواہمت ز تن بیروں شو

اے دل! جب تو نے فراق یار دیکھا ہے تو خون ہو جا اور اے آنکھ تو بھی اس کی موافقت کر اور جیحوں بن جا۔ اے جان تو میرے یار سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔ یار کے بغیر میں تجھ کو بھی نہیں چاہتا۔ تن سے باہر ہو جا۔

(٣٥٧) اے آمدہ کار من بجاں از غم تو　　تنگ آمدہ بر دلم جہاں از غم تو
ہاں اے دل و دیدہ تا بسر بر نہ کنم　　خاک ہمہ دشت خاوراں از غم تو

تیرے غم عشق کی وجہ سے میری جان پر بن رہی ہے اور دنیا میرے دل پر تنگ ہو رہی ہے ہاں اے دل! اور اے آنکھ! اپنا کام بدستور کئے جاؤ جب تک میں تمام دشت خاوراں کی خاک سر پر نہ ڈال لوں۔

(٣٥٨) ہاں یاراں ہوئے با جوانمرداں ہو　　مردی کنی و نگاہداری سر کو
گر تیر جہاں رسد کہ بشگافد مو　　باید کہ ز یک دگر نگردانی رو

ہاں اے یارو شور و غوغا مچاؤ اور اے جوانمردو ہو حق کرو۔ مردانگی کرو اور اس کوچہ کی نگہبانی کرو۔ اگر دنیا کا تیر آئے کہ بال کو پھاڑ دے تو پرواہ نہ کرو اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔

(٣٥٩) عشق است کہ شیر نر زبوں آید ازو　　از ہر چہ گماں بری فزوں آید ازو
گہ دشمنی کند کہ مہر افزاید　　گہ دوستی کہ بوئے خوں آید ازو

عشق وہ چیز ہے جس سے شیر نر بھی مغلوب اور ذلیل و خوار ہو جاتا ہے اور جس چیز کا تو گمان کرے عشق اس سے بھی زیادہ ہے کبھی تو یہ عشق ایسی دشمنی کرتا ہے جس سے محبت بڑھ جاتی ہے اور کبھی ایسی دوستی جس سے بوئے خون آتی ہے۔

(٣٦٠) دورم اگر از سعادت خدمت تو　　پیوستہ دلست آئینۂ طلعت تو
از گرمئ آفتاب ہجرم چہ غمست　　دارم چو پناہ سایۂ دولت تو

اگرچہ بظاہر میں تیری خدمت کی سعادت سے دور ہوں۔ مگر میرا دل ہمیشہ تیرا آئینۂ جمال بنا ہوا ہے مجھ کو آفتاب ہجر کی گرمی کا کیا خوف ہے جبکہ میں تیرے سایۂ دولت کی پناہ رکھتا ہوں۔

(٣٦١) اے نالۂ پیر خانقاہ از غم تو　　وے گریۂ طفل بے گناہ از غم تو
افغان خروس صبحگاہ از غم تو　　آہ از غم تو ہزار آہ از غم تو

خانقاہ کے پیر کا نالہ، بیگناہ بچے کا رونا اور مرغ سحر کی فغان و زاری تیرے ہی غم عشق کی وجہ سے ہے۔ تیرے غم کے ہاتھوں سخت فریاد ہے کہ کسی کو بھی نہیں۔

(٣٦٢) اے آئینہ را دادہ جلا صورت تو　　یک آئینہ کس ندید بے صورت تو
نے نے کہ ز لطف در ہمہ آئینہا　　خود آمدۂ بدیدن صورت تو

تیری صورت نے آئینہ کو جلا دی ہے کسی نے ایک آئینہ بھی تیری صورت کے بغیر نہیں دیکھا نہیں نہیں بلکہ لطف و کرم سے تمام آئینوں میں تو خود ہی اپنی صورت دیکھنے آیا ہے۔ (آئینہ۔ مظاہر کونی)۔

(۳۶۳) دردِ دلِ من دوا شِ می دانی تو　　سوزِ دلِ من سزاشِ می دانی تو

من غرقِ گنہ پردہ عصیاں درپیش　　پنہاں چہ کنم کہ فاش می دانی تو

میرے دردِ دل کی دوا تو ہی جانتا ہے اور میرے سوزِ دل کے لائق (علاج) سے تو ہی واقف ہے۔ میں گناہوں میں غرق ہوں اور گناہوں کا پردہ سامنے پڑا ہے۔ پوشیدہ کیا رکھوں تو خود اس سے آگاہ و باخبر ہے۔

(۳۶۴) من می شنوم کہ می بہ بخشائے تو　　ہر جا کہ شکستہ ایست آنجائے تو

ما جملہ شکستگان درگاہ تو ایم　　در حال شکستگاں چہ فرمائے تو

میں سنتا ہوں کہ تو بخش دیتا ہے اور جہاں کوئی شکستہ خاطر ہے وہاں تو ہے ہم سب تیری بارگاہ میں شکستہ خاطر ہیں۔ ہم شکستہ حالوں کے متعلق تیرا کیا خیال ہے۔

(۳۶۵) اے سبزیِ سبزۂ بہاراں از تو　　وے سرخیِ روئے گلعذاراں از تو

آہِ دل و اشکِ بیقراراں از تو　　فریاد کہ باد از تو و باراں از تو

سبزۂ بہار کی سبزی تجھ سے ہے اور پھول جیسے چہرے والوں کی سرخیِ رخسار تیری ذات سے ہے۔ بیقراروں کے دل کی آہ اور آنسو تجھ سے ہیں فریاد کہ ہوا بھی تجھ سے ہے اور بارش بھی تجھ سے ہے (بادو باراں سے آہ و اشک مراد ہیں)۔

(۳۶۶) اے پیر و جوانِ دہر شاد از غم تو　　فارغ دل ہیچکس مباد از غم تو

مسکیں منِ بیچارہ دریں عالمِ خاک　　سرگردانم چو گرد باد از غم تو

تیرے غمِ عشق سے زمانہ کے پیر و جواں خرّم و دلشاد ہیں۔ خدا کرے (کسی کا دل تیرے غم سے فارغ نہ ہو۔ اس عالمِ خاک میں میں مسکین بیچارہ تیرے غم کی وجہ سے بگولے کی مانند سرگرداں ہوں۔

(۳۶۷) اے شعلۂ طور پُر نور از تو　　وے مست بہ نیم جرعہ منصور از تو

ہر شی جہاں جہان نشور از تو　　من از تو مست از تو و مخمور از تو

اے شعلۂ طور (محبوبِ حقیقی) طور تجھ سے پرنور ہے اور منصور تیری (شرابِ عشق کے) آدھے گھونٹ سے مست و بےخود ہو رہا ہے۔ جہان کی ہر ایک شے اور جہان تجھ سے پیدا ہوا میں تجھ سے ہوں اور مست و مخمور بھی تجھ سے

(۳۶۸) اے کعبہ پرست چیست کین من و تو　　صاحب نظراں خوردہ بین من و تو

گر بر سنجند کفر و دین من و تو　　دانند نہایت یقین من و تو

اے کعبہ کے پجاری یہ میرا اور تیرا کینہ کیا ہے ارباب بصیرت مجھ میں اور تجھ میں عیب دیکھتے ہیں اگر میرے اور تیرے کفر و دین کا موازنہ کریں تو میرے اور تیرے ایمان کی انتہا معلوم ہو جائے۔

(۳۶۹) از دیدۂ سنگ خوں چکاند غم تو　　بیگانہ و آشنا ندانند غم تو

در دے خورم و غمت ہمی نوش کنم　　تا آنکہ بکس دگر نماند غم تو

تیرا غم پتھر کی آنکھ سے خون ٹپکاتا ہے اور اپنے اور بیگانے میں تمیز نہیں کرتا میں درد کھاتا ہوں اور تیرا غم پیتا ہوں تاکہ کسی اور کے لئے تیرا غم نہ رہ جائے۔

(۳۷۰) ابر از دہقاں کہ ژالہ می رویدازو　　دشت از مجنوں کہ لالہ می رویدازو

خلد از صوفی و حور عین از زاہد　　از ما دلکے کہ نالہ می رویدازو

ابر جس سے اولے پیدا ہوتے ہیں دہقان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور دشت جہاں لالہ اگتا ہے مجنوں سے۔ خلد بریں صوفی سے اور حور عین زاہد سے۔ ہماری ملکیت ایک چھوٹا سا دل ہے جس سے نالہ پیدا ہوتا ہے۔

(۳۷۱) جان و دلِ من فدائے خاکِ در تو　　گر فرمائے بدیدہ آیم بر تو

وصلت گوید کہ تو نداری سر ما　　بے سر بادا ہر آنکہ ندارد سر تو

میری جان اور میرا دل تیرے دروازہ کی خاک پر فدا ہے اگر تو ارشاد فرمائے تو میں آنکھوں کے بل تیرے پاس آؤں۔ تیرا وصل کہتا ہے کہ تجھ کو میری تمنا نہیں وہ بے سر ہو جائے جس کو تیری تمنا نہ ہو۔

(۳۷۲) اے در دلِ من اصلِ تمنا ہمہ تو　　وے در سرِ من مایۂ سودا ہمہ تو

ہر چند بروزگار در مے نگرم　　امروز ہمہ توئی و فردا ہمہ تو

اے محبوب! فی الحقیقت میرے دل میں سراسر تیری ہی تمنا ہے اور میرے سر میں تیرے ہی عشق و سودا کا سرمایہ ہے جب بھی قدرتیں زمانہ پر غور کرتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی سب کچھ تو ہی ہے اور کل بھی تو ہی ہوگا۔

(۳۷۳) اے شمعِ دلم قامتِ سنجیدۂ تو　　وصلِ تو حیاتِ ایں ستم دیدۂ تو

چوں آئینہ پُر شد دلم از عکسِ رخت　　سویت نگرم ولیک از دیدۂ تو

تیرا قدِ موزوں میرے دل کے لئے شمع ہے اور تیرا وصل اس ستم رسیدہ کی زندگی ہے۔ میرا دل آئینہ کی طرح تیرے چہرے کے عکس سے پُر ہو گیا۔ میں تیری طرف دیکھتا ہوں۔ لیکن تیری ہی آنکھ سے دیکھتا ہوں۔

(۲۷۴) زلفش بکشی شب دراز آید ازو — ور بگذاری چنگل باز آید ازو
ور پیچ و خمش زیک دگر باز کنی — عالم عالم مشک فراز آید ازو

اگر تو اس کی زلف کو کھینچے تو شب دراز پیدا ہوگی۔ اور اگر چھوڑ دے تو پنجۂ باز کی مانند ہو جائے گی۔ اگر تو اس کے پیچ وخم ایک دوسرے سے الگ الگ کھول دے تو تمام کائنات اس سے معطر ہو جائے۔

(۲۷۵) من کیستم آتش بدل افروختۂ — بر خرمن عشق چشم خود دوختۂ
در راہ وفا چو سنگ آتش گردم — شاید کہ رسم بہ صحبت سوختۂ

(خود ہی سوال کرتے ہیں کہ) میں کون ہوں؟ (اور پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ میں وہ ہوں) جس نے دل میں آگ لگا رکھی ہے اور خرمن عشق پر ٹکٹکی باندھ رکھی ہے۔ وفا کی راہ میں پتھر کی مانند (سخت دل) اور آگ کی طرح (تیز رو) پھر رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ کسی دل جلے کی صحبت نصیب ہو جائے۔

(۲۷۶) اے چشم تو چشم چشمۂ چشم ہمہ — بی چشم تو نور نیست در چشم ہمہ
چشم ہمہ را نظر بسوئے تو بود — از چشم تو چشمہاست در چشم ہمہ

تیری آنکھ سب کی آنکھ کا سرچشمہ ہے اور تیری آنکھ کے بغیر کسی کی آنکھ میں نور نہیں ہے سب کی آنکھ تیری طرف لگی ہوئی ہے اور تیری آنکھ کی وجہ سے ہر ایک آنکھ میں (آنسوؤں کے) چشمے ہیں۔

(۲۷۷) ہجران ترا چو گرم شد ہنگامہ — بر آتش من قطرہ فشاند از خامہ
من رفتم و مرغ روح من پیش تو ماند — تا ہمچو کبوتر از تو آرد نامہ

جب تیرے ہجر کا ہنگامہ گرم ہوا تو اس نے اپنے قلم سے میری آگ پر ایک قطرہ گرا یا میں چلا گیا اور میرا مرغ روح تیرے پاس رہا۔ تاکہ کبوتر کی طرح تیرا خط لائے۔

(۲۷۸) دارم صنمے چہرہ بر افروختۂ — با جور و جفا و ستم آموختۂ
او عاشق دیگرے و من عاشق او — پروانہ صفت بسوختۂ سوختۂ

میں ایک ایسا معشوق رکھتا ہوں جس کا چہرہ روشن ہے اور وہ جور و جفا و ستم خوب سیکھا ہوا ہے وہ کسی دوسرے پر عاشق ہے اور میں اس پر عاشق ہوں گویا پروانہ کی مانند جلے ہوئے کا سوختہ ہوں۔

(۲۷۹) در گفتن ذکر حق زباں از ہمہ بہ — طاعت کہ بشب کنی نہاں از ہمہ بہ
خواہی کہ ز پلصراط آساں گذری — ناں دہ بجہانیاں کہ ناں از ہمہ بہ

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے زبان سب سے بہتر ہے اور عبادت جو رات کو پوشیدہ طور پر کی جائے سب سے بہتر ہے تو چاہتا ہے کہ پل صراط سے بآسانی گذر جائے تو اہل جہان کو روٹی دے کیونکہ روٹی دینا سب سے بہتر ہے۔

(۲۸۰) چشمم کہ سرشک لالہ گوں آوردہ — وز ہر مژہ قطرہ ہائے خوں آوردہ
نی نی بنظارہ ات دل خوں شدہ ام — از روزن سینہ سر بروں آوردہ

میری آنکھ جس سے گل لالہ کی طرح سرخ آنسو بہتے ہیں اور ہر پلک سے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں نہیں نہیں بلکہ میرے خوں شدہ دل نے تیرے نظارہ کے لئے روزن سینہ سے سر باہر نکالا ہوا ہے۔

(۲۸۱) اینک سر کوئے دوست اینک سر راہ — گر تو نروی روندگاں را چہ گناہ
جامہ چہ کنی کبود و نیلی و سیاہ — دل صاف کن و قبا ہمیں پوش و کلاہ

یہ کوچۂ یار کا سرا ہے اور یہ راستہ کا شروع ہے اگر تو نہیں چلتا تو چلنے والوں کا کیا قصور ہے تو لباس کو نیلا پیلا اور سیاہ کیا کرتا ہے دل صاف کر اور یہی قبا اور کلاہ پہن۔

(۲۸۲) دنیا طلباں ز حرص مستند ہمہ — موسیٰ کش و فرعون پرستند ہمہ
ہر عہد کہ با خدائے بستند ہمہ — از دوستی حرص شکستند ہمہ

دنیا کے طلبگار حرص سے بے خود و سرمست ہو رہے ہیں وہ سب موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے والے اور فرعون کے پجاری ہیں۔ تمام عہد جو انہوں نے خداوند تعالیٰ سے باندھے تھے حرص پرستی کی وجہ سے سب توڑ دئے۔

(۲۸۳) ما درویشاں نشستہ در تنگ درہ — گہ قرص جوے خوریم و گہ پشت برہ
پیران کہن دانند و میران سرہ — ہر کس کہ بما بدید و جاں نبرہ

ہم درویش ایک تنگ درے میں بیٹھے ہیں کبھی جو کی روٹی کھا لیتے ہیں اور کبھی برہ کی پیٹھ بڑے بوڑھے اور سردار لوگ جانتے ہیں کہ جو شخص ہمیں نظر بد سے دیکھتا ہے وہ بچ کر نہیں جاتا۔

(۲۸۴) اے روئے تو مہر عالم آرائے ہمہ — وصل تو شب و روز تمنائے ہمہ
گر با دگراں بہ ز منی وائے بمن — ور با ہمہ کس ہمچو منی وائے ہمہ

تیرا چہرہ سب کے لئے مہر عالم آرا ہے اور تیرا وصل سب کی رات دن کی تمنا ہے اگر تو دوسروں کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے تو مجھ پر افسوس ہے اور اگر سب کے ساتھ میری طرح ہے تو سب پر افسوس ہے۔

(۳۸۵) من کیستم؟ از خویش بتنگ آمدۂ — دیوانۂ با خود بہ جنگ آمدۂ
دوشینہ بکوئے دوست از اشکم گشت — نالیدن پائے دل بسنگ آمدۂ

میں کون ہوں؟ (وہ ہوں) جو اپنے آپ سے تنگ آیا ہوا ہے اور ایسا دیوانہ ہوں جو اپنے آپ سے برسرِ پیکار ہے۔ کل رات دوست کے کوچہ میں میرے آنسوؤں سے پتھر سے ٹھوکر کھا کر میرے دل کے پاؤں کا نالہ بن گیا۔

(۳۸۶) اے نیک نکردہ و بدیہا کردہ — وآنگاہ بہ لطفِ حق تولّا کردہ
بر عفو مکن تکیہ کہ ہرگز نبود — ناکردہ چو کردہ۔ کردہ چوں ناکردہ

اے وہ شخص جس نے کوئی نیکی نہیں کی بلکہ برائیاں کرتا رہا اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا امیدوار ہے۔ تو اس کے عفو پر بھروسہ نہ کر کیونکہ نہ کیا ہوا کیا ہوا، اور کیا ہوا نہ کیا ہوا کی مانند ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۳۸۷) جز وصل تو دل بہر چہ بستم توبہ — بے یادِ تو ہر جا کہ نشستم توبہ
در حضرتِ تو توبہ شکستم صد بار — زیں توبہ کہ صد بار شکستم توبہ

تیرے وصل کے علاوہ جس چیز کے ساتھ میں نے دل لگایا اس سے میری توبہ ہے اور تیری یاد کے بغیر جہاں کہیں بیٹھا ہوں توبہ ہے میں نے تیری بارگاہ میں سینکڑوں مرتبہ توبہ توڑی ہے۔ اس توبہ سے جو میں نے سو بار توڑی ہے توبہ ہے۔

(۳۸۸) معمورۂ دل بعلم آراستہ بہ — معمورۂ جاں ز کینہ پیراستہ بہ
از ہستیٔ خود ہر چہ تواں کاستہ بہ — ہر چیز کہ غیر تست ناخواستہ بہ

دل کی آبادی علم سے آراستہ ہو تو بہتر ہے اور جان کا شہر کینہ و عناد سے پاک و صاف ہو تو بہتر ہے اپنی خودی کو جہاں تک گھٹایا جائے اچھا ہے اور تیرے ماسوا کی تمنا نہ جائے تو بہتر ہے۔

(۳۸۹) پاکی و منزّہی و بے ہمتائی — کس را نبود ملک بایں زیبائی
خلقاں ہمہ خفتہ اند خود آگاہی — یارب تو در لطف بما بکشائی

بے ہمتا۔ بے مثال۔ عدیم النظیر۔ خلقاں۔ مخلوقات۔

اے خداوند قدوس! تو پاک ہے، منزہ ہے اور بے مثال ہے۔ کسی کی سلطنت اس زیبائش کے ساتھ نہیں۔ مخلوق تمام سوئی پڑی ہے تو خود آگاہ ہے۔ اے پروردگار! تو اپنے لطف و کرم کا دروازہ ہم پر کھول دے۔

(۳۹۰) اے خالقِ ذوالجلال و اے بارِ خدا — تا چند روم در بدر و جای بجا ے
یا خانۂ امید مرا در بر بند — یا قفلِ مہمات مرا در بکشا ے

اے خالق ذوالجلال، اے خداوند تعالیٰ! میں کب تک در بدر اور جا بجا مارا مارا پھرتا رہوں گا یا تو میری امید کا دروازہ بند کر دے یا میری مشکلات کا قفل کھول دے ؎

اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس — بہشت ہے ہمیں آرام جاوداں کے لئے

(۳۹۱) یا سرکشیٔ عدو را سرکوبی — یا خار و خسِ زمانہ را جاروبی
بگرفت دلم ازیں خسیساں یارب — حشری نشری قیامتی آشوبی

یا تو عدو کی سرکشی کے لئے کوئی سرکوبی کرنے والا بھیج دے یا زمانہ کے خس و خاشاک پر جھاڑو دینے والا ان کمینوں سے میرا دل بیزار ہو گیا ہے کسی حشر، نشر، قیامت اور آشوب کی ضرورت ہے ؎

بری حالت ہے بندوں کی قیامت کیوں نہیں آتی — فلک کیوں گر نہیں پڑتا زمیں کیوں پھٹ نہیں جاتی

(۳۹۲) در کوئے خودم مسکن و ماویٰ دادی — در بزمِ وصالِ خود مرا جا دادی
القصّہ بصد کرشمہ و ناز مرا — عاشق کردی و سر بصحرا دادی

تو نے اپنے کوچہ میں مجھ کو جائے رہائش و جائے پناہ دی اور اپنی بزم وصال میں مجھے جگہ مرحمت فرمائی، المختصر سو کرشمہ و ناز سے مجھ کو عاشق کر کے آوارۂ دشتِ جنوں کر دیا۔

(۳۹۳) اے شاہِ ولایت دو عالم مددے — بر عجز و پریشانیٔ عالم مددے
اے شیرِ خدا زود بفریادم رس — جز حضرتِ تو پیش کہ نالم مددے

شاہ ولایت۔ شیر خدا، اسد اللہ۔ دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے القاب ہیں۔

اے دونوں جہان کی ولایت کے بادشاہ مدد کر دنیا کی عاجزی اور پریشانی پر رحم فرما۔ اے شیر خدا! جلدی میری فریاد سن تیری بارگاہ کے علاوہ کس کے حضور نالہ و فریاد کروں۔

(۳۹۴) یا گردنِ روزگار راز نجیرے — یا سرکشیٔ زمانہ را تدبیرے
ایں زاغ وشاں ببے پرید بلند — سنگی چوبی گرزی تفنگی تیرے

یا تو زمانہ کی گردن کے لئے زنجیر چاہیئے یا سرکشی زمانہ کی کوئی تدبیر ہونی چاہیئے۔ یہ کوؤں جیسے لوگ بہت بلند اڑ گئے ان کے واسطے کسی پتھر، چھڑی، گرز، بندوق یا تیر کی ضرورت ہے۔

(۳۹۵)
نازار دلے را کہ تو جانش باشی — معشوقۂ پیدا و نہانش باشی
زاں می ترسم کہ از دل آزاریٔ تو — دل خوں شود و تو درمیانش باشی

تو اس دل کو نہ ستا جس کی تو جان ہے اور کا تو ستر او جہارا معشوق ہے میں اس لئے ڈرتا ہوں کہ تیری دل آزاری سے دل خون ہو جائیگا اور تو اس کے درمیان ہوگا۔ (نازار۔ نیازار کا مخفف ہے)۔

(۳۹۶)
اے شیر خدا امیر حیدر فتحے — وے قلعہ کشائے باب خیبر فتحے
درہائے امید بر رخم بستہ شدہ — اے صاحب ذوالفقار و قنبر فتحے

اے شیر خدا، امیر حیدر مشکلکشائی کر اور اے قلعہ خیبر کا دروازہ کھولنے والے فتح عنایت فرما۔ امید کے دروازے میرے سامنے بند ہیں۔ اے ذوالفقار و قنبر کے مالک امید بر لا۔

(۳۹۷)
اے آنکہ تو درد دردمنداں دانی — درمان و علاج مستمنداں دانی
حال دل خویش را چہ گویم با تو — ناگفتہ تو صد ہزار چنداں دانی

اے وہ ذات جو دردمندوں کے درد کو جانتا ہے اور حاجتمندوں کے علاج و درماں سے آگاہ و باخبر ہے میں اپنا حال دل تجھ سے کیا کہوں کیونکہ تو بغیر کہے (کہنے کی نسبت) ہزار مرتبہ زیادہ جانتا ہے۔

(۳۹۸)
آنی کہ تو حال خستہ حالاں دانی — احوال دل شکستہ بالاں دانی
در خوانمت از سینۂ سوزاں شنوی — دم در نزنم زبان لالاں دانی

تو وہ ہے جو خستہ حالوں کا حال جانتا ہے اور شکستہ خاطروں کے حالات سے آگاہ ہے اگر میں سینۂ سوزاں کے ساتھ تجھ کو بلاؤں تو تو میری آواز سنتا ہے اور اگر دم نہ ماروں اور خاموش رہوں تو تو گونگوں کی زبان جانتا ہے۔

(۳۹۹)
گر در یمنی چو با منی پیش منی — گر پیش منی چو بے منی در یمنی
من با تو چنانم اے نگار یمنی — خود در غلطم کہ من توام یا تو منی

اگر میرے خیال کے ساتھ تو یمن میں ہے تو میرے پاس ہی ہے اور اگر میرے خیال کے بغیر تو میرے سامنے بھی ہے تو گویا یمن میں ہے۔ اے نگار یمن! میں تیرے ساتھ اس طرح ہوں کہ مجھے خود مغالطہ ہو جاتا ہے کہ میں تو ہے یا تو میں ہوں ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی — تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(۴۰۰)
یارب در خلق تکیہ گاہم نکنی — محتاج گدا و پادشاہم نکنی
موئے سیہم سفید کردی۔ بہ کرم — باموئے سفید روسیاہم نکنی

اے پروردگار! مخلوق کے دروازہ کو میری تکیہ گاہ نہ بنانا اور مجھے گدا و بادشاہ کا محتاج نہ کرنا میرے سیاہ بالوں کو تو نے سفید کر دیا اب اپنی مہربانی سے سفید بالوں کے ساتھ مجھے روسیاہ نہ کرنا۔

(۴۰۱)
حقا کہ اگر چو مرغ پر داشتمے — روزے ز تو صد بار خبر داشتمے
ایں واقعہ ام اگر نبودے در پیش — کے دیدہ ز دیدار تو برداشتمے

بخدا اگر میں مرغ کی طرح پر رکھتا تو ایک دن میں سو بار تیری خبر لیتا۔ اگر یہ واقعہ درپیش نہ ہوتا۔ تو تیرے دیدار سے میں کب آنکھ اٹھاتا۔

(۴۰۲)
دردے دارم و سینۂ بریانے — عشقے دارم و دیدۂ گریانے
عشقے چہ عشق عشق عالم سوزے — دردے چہ درد دردِ بے درمانے

میں درد رکھتا ہوں اور سینہ بریاں رکھتا ہوں۔ عشق رکھتا ہوں اور چشم گریاں رکھتا ہوں۔ عشق بھی وہ جو دنیا کو جلا دے اور درد بھی وہ درد جس کا کوئی علاج نہیں۔

(۴۰۳)
عالم بود۔ ار نۂ ز عبرت عاری — نہری جاری بطور ہائے طاری
وندر ہمہ طور ہائے نہر جاری — سر یست حقیقت الحقائق ساری

اگر تو عبرت سے عاری نہیں (تو تیری نظر میں) عالم ایک ایسی نہر کی مانند ہوگا جو مختلف اطوار کیساتھ جاری ہے اور اس جاری نہر کے تمام اطوار میں حقیقت الحقائق ایک سر سرایت کئے ہوئے ہے۔

(۴۰۴)
تحقیق معانی ز عبارات مجوے — بے رفع قیود و اعتبارات مجوے
خواہی یابی ز علت جہل شفا — قانون نجات از اشارات مجوے

معانی کی تحقیق عبارتوں میں نہ ڈھونڈھ اور قیود و اعتبارات کو رفع کئے بغیر تلاش نہ کر۔ اگر تو جہالت کی بیماری سے شفا حاصل کرنا چاہتا ہے تو نجات کا قانون اشارات میں تلاش نہ کر۔

ارسطاطالیس کا قول ہے۔ ھذا الاقوال المتداولۃ کالسلم نحو المرتبۃ المطلوبۃ فمن اراد ان یحصلھا فلیحصل لنفسہ نظرۃ اخریٰ۔

قانون و اشارات بوعلی سینا کی مشہور طبی تصانیف ہیں۔

(۴۰۵)
ہستی کہ ظہور می کند در ہمہ شے — خواہی کہ بری بہ حال با ہمہ پے
رو بر سرمے حباب را بیں کہ چساں — می وی بود اندروی و وی در می وے

ہستی (وجود مطلق) جو تمام اشیاء (موجودات) میں ظہور کرتی ہے اگر تو اس کے موجودات میں جاری و ساری ہونے کی حقیقت کو معلوم کرنا چاہتا ہے تو جا اور شراب کی سطح پر حباب کو دیکھ کہ کس طرح شراب اس کے اندر ہے اور وہ شراب کے اندر۔

(۴۰۶)
گر شہرہ شوی بشہر شر الناسی — ور خانہ نشینی ہمگی وسواسی
بہ زاں نبود کہ ہمچو خضرؑ و الیاسؑ — کس نشناسد ترا تو کس بشناسی

اگر تو شہر میں مشہور ہو جائے تو بدترین آدمی ہے اور اگر گھر ہی میں بیٹھا رہتا ہے تو ہمہ تن وسواس ہے اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ خضر و الیاس کی طرح تجھے کوئی نہ پہچان سکے اور تو سب کو پہچان لے۔

(۴۰۷)
دنیا و دنی پُر ہوس را چہ کنی — آلودۂ ہر ناکس و کس را چہ کنی
آں یار طلب کن کہ ترا باشد و بس — معشوقۂ صد ہزار کس را چہ کنی

تو پُر ہوس کمینہ دنیا کو کیا کرے گا جو ہر کس و ناکس سے آلودہ ہو رہی ہے تو ایسا یار طلب کر جو محض تیرا ہو کر رہے ایسی معشوقہ کو جسکے لاکھوں عاشق ہوں۔ تو کیا کرے گا۔

(۴۰۸)
خواہی چو خلیل کعبہ بنیاد کنی — واں را بنماز و طاعت آباد کنی
روزے دو ہزار بندہ آزاد کنی — بہ زاں نبود کہ خاطرے شاد کنی

اگر تو چاہتا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح کعبہ تعمیر کرے اور اس کو نماز و عبادت سے آباد کرے اور ہر روز دو ہزار غلام آزاد کرے تو (یہ سب کچھ) اس سے بہتر نہیں ہو سکتا کہ تو کسی دل کو خوش کرے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہ خلیل آذر است — دل گذر گاہ جلیل اکبر است

(۴۰۹)
ای در خم چوگان تو سر باشدہ گوی — بیروں نہ ز فرمان تو دل یکسر موی
ظاہر کہ بدست ماست آنرا شستیم — باطن کہ بدست تست آنرا تو بشوی

تیرے چوگان کے خم میں سر گیند کی مانند ہیں تیرے فرمان سے دل ایک بال برابر بھی باہر نہیں۔ ظاہر جو ہمارے قدرت و اختیار میں ہے ہم نے اسے دھو ڈالا (یعنی ظاہری آلودگیوں سے پاک ہو گئے)۔ ہمارا باطن جو تیرے

ہاتھ میں ہے اس کو تو دھو ڈال (باطنی آلودگیوں سے نجات دے)۔

(۴۱۰)
غم جملہ نصیب چرخ خم بایستے — یا با غم من صبر بہم بایستے
یا مایۂ غم چو عمر کم بایستے — یا عمر باندازہ غم بایستے

تمام غم خمیدہ آسمان کی قسمت میں ہونا چاہئے یا میرے غم کے ساتھ صبر بھی ہونا چاہئے یا غم کا سرمایہ عمر کی طرح کم ہونا چاہئے یا عمر غم کے اندازہ کے مطابق ہونی چاہئے۔

(۴۱۱)
اے خالق ذوالجلال ہر جانورے — وے رہبر و رہنمائے ہر بیخبرے
بستم کمر امید بر درگہ تو — بکشائے درے کہ من ندارم خبرے

اے ہر جاندار کے صاحب جلال خالق! اور اے ہر بیخبر کی رہنمائی کرنیوالے راہبر! میں نے تیری بارگاہ میں کمر امید باندھ لی۔ کوئی دروازہ کھول دے کیونکہ مجھے کچھ خبر نہیں۔

(۴۱۲)
اے ذات تو در صفات اعیاں ساری — اوصاف تو در صفات شاں متواری
وصف تو چو ذات مطلق است آما نیست — در ضمن مظاہر از تقید عاری

تیری ذات موجودات کی صفات میں سرایت کئے ہوئے ہے اور تیرے اوصاف ان کی صفات میں پوشیدہ ہیں تیرے اوصاف بھی تیری ذات کی طرح مطلق ہیں لیکن مظاہر کے ضمن میں تقید سے عاری نہیں ہیں۔
مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ذات کی طرح مطلق اور تمام قیود سے بالاتر ہیں لیکن جب وہ صفات مظاہر کونی میں نمایاں ہوتی ہیں (مثلاً ایک حسین صورت میں صفت جمالی جلوہ گر ہوتی ہے وقس علیٰ ہذا) تو وہ ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ہستی "مقید فی الزمان والمکان وغیرہا" میں پائی جاتی ہیں۔

(۴۱۳)
اے دل اگر آں عارض دلجو بینی — ذرات جہاں را ہمہ نیکو بینی
در آئینہ کم نگر کہ خود بیں نشوی — خود آئینہ شو تا ہمگی او بینی

اے دل! اگر تو اس دل لبھانے والے چہرے کو دیکھے تو ذرات جہاں تیری نظروں میں بھلے معلوم ہونگے تو آئینہ میں نہ دیکھ کہ خود بیں نہ ہو جائے بلکہ (تصفیۂ قلب و تزکیۂ نفس کے ذریعہ) خود آئینہ بن جا۔ تاکہ سراسر اسی کو دیکھے۔

(۴۱۴)
وصافی خود بر غم حاسد تا کے — ترویج چنیں متاع کاسد تا کے
تو معدومی۔ خیال ہستی از تو — فاسد باشد۔ خیال فاسد تا کے

حاسد کی مرضی کے خلاف تو کب تک خودستائی میں مصروف رہے گا اور اس کھوٹی پونجی کو کب تک رواج دیتا رہے گا۔ تو معدوم ہے اور تجھ سے ہستی کا خیال فاسد ہے تو کب تک خیال فاسد میں مبتلا رہے گا۔

(۲۱۵)
تا ترکِ علائق و عوائق نہ کنی
یک سجدۂ شائستہ لائق نہ کنی
حقا کہ ز دامِ لاتؑ عزیٰ نرہی
تا ترکِ خود و جملہ خلائق نہ کنی

جب تک تو تمام تعلقات و موانعات سے قطع تعلق نہ کرے ایک سجدہ بھی جو ذات باری کے لائق و سزاوار ہو نہ کر سکے گا بخدا۔ جب تک تو اپنی خودی اور تمام مخلوقات کو ترک نہ کرے گا لات و عزیٰ کے دام سے نجات نہ پا سکے گا (لات و عزیٰ دو بتوں کے نام ہیں)۔

(۲۱۶)
ہستی کہ عیاں نیستؑ آں از شانی
در شان دگر جلوہ کند ہر آنی
این نکتہ بجوز کل یوم فی شان
گر بایدت از کلامِ حق برہانی

وہ ہستی جو ظاہر نہیں ہے ہر آن ایک شان سے دوسری شان میں جلوہ گر ہوتی ہے اگر تو کلام اللہ سے دلیل چاہتا ہے تو یہ نکتہ کل یوم ھو فی شان سے تلاش کر۔

(۲۱۷)
من کیستم؟ از قید دو عالم فردے
عنقا منشے بلند ہمت مردے
دیوانۂ خودے بیاباں گردے
لبریز محبتے سراپا دردے

میں کون ہوں؟ دونوں جہان کی قید سے آزاد ہوں۔ اور عنقا طبیعت اور بلند ہمت مرد ہوں۔ اپنا دیوانہ اور بیاباں نورد ہوں۔ محبت سے لبریز اور سراپا درد ہوں۔

(۲۱۸)
اے آنکہ بملک خویش پایندہ توئی
وز دامن شب صبح نمایندہ توئی
کار من بیچارہ قوی بستہ شدہ
بکشائے خدایا کہ کشایندہ توئی

اے خدا! اپنے ملک میں قائم و دائم تیری ہی ذات ہے اور پردۂ شب سے صبح کو تو ہی ظاہر کرتا ہے مجھ بیچارہ کا کام بہت رک گیا ہے۔ اے پروردگار! تو اس کو حل کر دے کیونکہ حل کرنیوالا تو ہی ہے۔

(۲۱۹)
اے از تو بباغ ہر گلے را رنگے
ہر مرغے را ز شوق تو آہنگے
با کوہ ز اندوہ تو رمزے گفتم
برخاست صدائے نالہ از ہر سنگے

باغ کا ہر پھول تیری وجہ سے رنگین ہے اور ہر جانور تیرے شوق سے نغمہ سرا ہے میں نے کوہ سے تیرے غم عشق کی ایک رمز بیان کی تو ہر ایک پتھر سے صدائے نالہ بلند ہونے لگی۔

(۲۲۰)
پیوستہ ترا دل ربودۂ معذوری
غم ہیچ نیازمودۂ معذوری
من بے تو ہزار شب بخوں در خفتم
تو بے من شبے نبودۂ معذوری

تو ہمیشہ دل افگار رہتا ہے تو معذور ہے اور تجھے کبھی غم کا تجربہ نہیں ہوا تو معذور ہے میں تیرے ہجر میں ہزاروں راتیں خون میں سویا ہوں لیکن میرے ہجر میں تیری ایک رات بھی ایسی حالت نہیں ہوئی تو معذور ہے۔

(۲۲۱)
از درد تو نیست چشم خالی ز نمے
ہر جا کہ دلیست شد گرفتار غمے
بیماری تو باعث نابودن ماست
اے باعث عمر ما نباشد المے

تیرے درد کی وجہ سے کوئی آنکھ آنسو سے خالی نہیں جہاں کہیں دل ہے گرفتار غم ہے تیری بیماری ہمارے نہ ہونے (موت و فنا) کا باعث ہے لہذا اے ہماری زندگی کے باعث تجھے کوئی الم و تکلیف نہ ہو۔

(۲۲۲)
از ہستی خویش تا پشیماں نشوی
سر حلقۂ عارفاں مستاں نشوی
تا در نظر خلق نگردی کافر
در مذہب عاشقاں مسلماں نشوی

جب تک تو اپنی ہستی سے پشیمان نہ ہوگا عارفوں اور مستوں کا سرگروہ نہ بنے گا جب تک تو مخلوق کی نظروں میں کافر نہ ہوگا عاشقوں کے مذہب میں مسلمان نہ ہوگا۔

(۲۲۳)
در کوئے تو میدہند جانے بجوی
جانے بجوے چہ کاروانے بجوی
از وصل تو یک جو بجہاں می ارزد
زیں جنس کہ ماییم جہانے بجوی

تیرے کوچہ میں ایک جو کے عوض ایک جان دیدیتے ہیں۔ نہیں جو کے عوض جان تو کیا ایک کاروان دیدیتے ہیں۔ تمام جہان تیرے وصل کے ایک جو کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتا اور جس جنس سے ہم ہیں اس جنس کا ایک جہان ایک جو کے برابر ہے۔

(۲۲۴)
گہ شانہ کش طرّہ لیلیٰ باشی
گہ در سر مجنوں ہمہ سودا باشی
گہ آئینۂ جمال یوسف گردی
گہ آتش خرمن زلیخا باشی

کبھی تو لیلیٰ کی زلفوں کو شانہ کرنیوالا ہوتا ہے اور کبھی مجنوں کے سر میں سراسر جنون و سودا بنجاتا ہے کبھی جمال یوسفی کا آئینہ ہو جاتا ہے اور کبھی زلیخا کے خرمن کے لئے آتش سوزاں بنجاتا ہے۔

(۲۲۵)
ای دل بر دوست تحفہ جز جاں نبری
در دے چو دہند نام درماں نبری
بے درد ز درد دوست نالاں گشتی
خاموش کہ عرض درد مندان نبری

اے دل! دوست کے پاس جان کے سوا کوئی اور تحفہ نہ لیجانا اور اگر تجھے درد دیں تو درماں کا نام نہ لینا تو درد کے بغیر دوست کے درد سے نالاں ہے۔ خاموش! کہیں درد مندوں کی آبرو خاک میں نہ ملادینا۔

(۴۲۶)
اے دیدہ مرا عاشق یارے کردی   حیران رُخ لالہ عذارے کردی
کارے کردی کہ ہیچ نتواں گفتن   اللہ اللہ چہ خوب کارے کردی

اے آنکھ تو نے مجھے یار کا عاشق بنادیا اور ایک لالہ رخسار کے چہرے پر حیران و فریفتہ کردیا تو نے ایسا کام کیا کہ کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ اللہ اللہ تو نے کیا خوب کام کیا۔

(۴۲۷)
تا نگذری از جمع بفردے نرسی   تا نگذری از خویش بسرے نرسی
تا در رہ دوست بے سروپا نشوی   بے درد بمانی و بدردے نرسی

جبتک تو جمع (کثرت) کو ترک نہ کریگا۔ فرد واحد تک نہ پہنچے گا۔ اور جبتک تو اپنی ہستی کو فنا نہ کریگا۔ کسی مرد کامل تک تیری رسائی نہ ہوگی۔ جبتک تو دوست کی راہ میں بے سروپا نہ ہوگا۔ بے درد رہے گا اور تجھے درد حاصل نہ ہوگا۔

(۴۲۸)
عشقم دادی ز اہل دردم کردی   از دانش و عقل و ہوش فردم کردی
سجادہ نشین با وقارے بودم   میخوارہ و رندو کوچہ گردم کردی

تو نے عشق دے کر مجھ کو اہل درد سے کردیا۔ اور دانش و عقل و ہوش و خرد سے بیگانہ بنادیا۔ میں ایک باوقار سجادہ نشین (عابد و زاہد) تھا تو نے مجھے شرابی اور رند اور مست بنادیا۔

(۴۲۹)
اے چرخ بسی لیل و نہار آوردی   گہ فصل خزاں و گہ بہار آوردی
مردان جہاں را ہمہ بردی بزمین   نامرداں را بروئے کار آوردی

اے آسمان! تو بہتیرے روز و شب لایا کبھی تو فصل خزاں لایا اور کبھی موسم بہار۔ دنیا کے لائق لوگوں کو تو نے زمین میں دفن کردیا اور نالائقوں کو عزت و وقار دیا۔

(۴۳۰)
اے آنکہ بکنہت نرسد ادراکے   کونین بپیش رحمتت خاشاکے
از روئے کرم اگر ببخشی مارا   بخشیدۂ از لطف تو مشت خاکے

اے خداوند قدوس! تیری حقیقت و ماہیت تک عقل نہیں پہنچتی۔ تیری رحمت کے مقابلہ میں دونوں جہان خس و خاشاک ہیں اگر تو از روئے کرم ہم کو بخش لے تو بعید نہیں کیونکہ تو نے اپنے لطف و کرم سے ایک

مشت خاک (آدم علیہ السلام) کو بخشا ہے۔

(۴۳۱)
بے پا و سر آں دشت خوں آشامی   مردند ز حسرت و غم ناکامی
محنت زدگان وادیٔ شوق ترا   ہجراں کشد و اجل کشد بدنامی

ہجر وہ خوں آشامی کا بے پایاں بیابان ہے جس میں (تیرے وارفتگان عشق) حسرت و ناکامی سے جاں بحق ہوگئے۔ تیری وادی شوق کے محنت کے ماروں کو ہجر مارتا ہے اور موت بدنام ہوتی ہے۔ خواجہ حافظؒ

مارا بغمزہ کشت و قضارا بہانہ ساخت   خود سوئے ما ندید و حیا را بہانہ ساخت

(۴۳۲)
دستے نہ کہ از نخل تو چینم ثمرے   چشمے نہ کہ بر خویش بگریم قدرے
پائے نہ کہ در کوئے تو یابم گذرے   روئے نہ کہ بر خاک بمالم سحرے

ایسا ہاتھ نہیں کہ تیرے نخل سے کوئی پھل توڑ سکوں۔ ایسی آنکھ نہیں کہ اپنے حال پر کسی قدر آنسو بہاؤں۔ ایسا پاؤں نہیں کہ تیرے کوچے میں گذر نصیب ہو اور ایسا چہرہ نہیں کہ کسی صبح تیرے حضور خاک پر رگڑوں

(۴۳۳)
اے بر سر ہر کس ز خیال تو بسے   بے یاد تو بر نیاید از دل نفسے
مفروش مرا مبخش آزاد مکن   من خواجہ یکے دارم و تو بندہ بسے

ہر شخص کے دماغ میں تیرے خیالات کا ہجوم ہے اور تیری یاد کے بغیر دل سے ایک سانس بھی نہیں نکلتا۔ تو مجھے بیچ نہ کسی کو بخش اور نہ آزاد کر۔ کیونکہ میرا ایک تو ہی آقا ہے اور تو بہت سے غلام رکھتا ہے۔

(۴۳۴)
اول ہمہ جام آشنائی دادی   آخر بہ ستم زہر جدائی دادی
چوں کشتہ شدم بگفتی ایں کشتہ کیست   واداز تو کہ داد بیوفائی دادی

پہلے تو مجھے آشنائی کا جام پلایا اور آخرکار جور و ستم کے ساتھ جدائی کا زہر دیا جب میں مرگیا تو پوچھا کہ یہ کس کا مارا ہوا ہے۔ تیرے ہاتھوں فریاد ہے کہ تو نے بیوفائی کا خوب حق ادا کیا ہے

مر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے   ہر اک سے پوچھتا ہے اسکو کس نے مار ڈالا ہے

(۴۳۵)
اے کاش مرا بنفت آلا یندے   آتش بزندے و بخشایندے
در چشم عزیز من نمک سایندے   وز دوست جدا شدن نفرمایندے

کاش مجھ کو بارود چھڑک کر آگ لگادیتے اور نہ بخشتے۔ میری عزیز آنکھ میں نمک ڈال دیتے مگر دوست سے جدا ہونے کے لئے نہ فرماتے۔

(۴۳۶) اے دل ز شراب وصل مستی تا کے — دی نیست شوندہ لاف ہستی تا کے
گر غرقۂ بحر غفلت و آز نۂ — تر دامنی و ہوا پرستی تا کے

اے دل! تو کب تک جہالت کی شراب پی کر مستی کرتا رہے گا اور اے نیست ہونیوالے (فانی)! تو کب تک ہستی کی لاف زنی کرتا رہے گا۔ اگر تو غفلت اور حرص کے سمندر میں غرق نہیں تو یہ تیری گناہگاری اور ہوس پرستی کب تک رہے گی۔

(۴۳۷) دیکھو رباعی نمبر ۴۰۹۔

(۴۳۸) گر صید عدم شوی ز خود رستہ شوی — ور در صفت خویش روی بستہ شوی
می داں کہ وجود تو حجاب رہ تست — با خود منشیں کہ ہر زماں خستہ شوی

اگر تو عدم (فنا) کا شکار ہو جائے تو خودی سے آزاد ہو جائیگا۔ اور اگر اپنی صفت کے ساتھ جائیگا تو پابند ہو جائیگا۔ یاد رکھ کہ تیرا وجود تیرے راستہ میں حجاب (حائل) ہے۔ اپنے (خودی) کے ساتھ نہ بیٹھ۔ ورنہ ہر وقت خستہ و خوار ہوگا۔

(۴۳۹) اے دل تا کے مصیبت افزا گردی — اے خوں شدہ درد پیما گردی
انداختیم دربدر و کوے بکوے — رسوا کردی مرا تو رسوا گردی

اے دل! تو کب تک مصیبتوں کو بڑھاتا رہے گا۔ اور اے خوں گشتہ! تو کب تک درد پیمارہے گا۔ تو نے مجھے دربدر اور کوچہ بکوچہ ٹھوکریں کھلائیں۔ خدا تجھے رسوا کرے کیونکہ تو نے مجھ کو رسوا کر دیا۔

(۴۴۰) تا بتوانی بکش بجاں بار دلے — می کوش کہ تا شود ترا یار دلے
آزار دلے مجوی کہ ناگاہ کنی — کار دو جہاں در سر آزار دلے

جہانتک ممکن ہو دل کا بوجھ جان پر برداشت کر اور کوشش کر کہ کوئی صاحب دل تیرا یار ہو جائے۔ تو کسی دل کے درپے آزار نہ ہو مبادا کسی دل کو دکھ دے کر تو اچانک دونوں جہان کے کام کو خراب کر لے۔

مباش درپئے آزار و ہر چہ خواہی کن — کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

(۴۴۱) دنیا راہے بہشت منزل گاہے — ایں ہر دو بنزد اہل معنی کاہے
گر عاشق صادقی زہر دو بگذر — تا دوست ترا بخود نماید راہے

دنیا ایک راستہ ہے اور بہشت ایک منزل گاہ۔ مگر اہل حقیقت کے نزدیک دونوں ایک تنکے کے برابر ہیں۔

اگر تو عاشق صادق ہے تو ان دونوں کو ترک کر دے۔ تاکہ دوست اپنی طرف تیری رہنمائی کرے۔

در مدرسہ گرچہ دانش اندوز شوی — وز گرمیٔ بحث مجلس افروز شوی
در مکتب عشق با ہمہ دانائی — سرگشتہ چو طفلان نو آموز شوی

اگرچہ تو مدرسہ میں دانش و خرد سے بہرہ ور ہو جائے۔ اور گرمی بحث سے مجلس کو رونق بخش دے لیکن پھر بھی مکتب عشق میں اس تمام دانائی کے باوجود تو نو آموز بچوں کی طرح سرگشتہ رہے گا۔

گفتم کہ کرائی تو بدیں زیبائی — گفتا خود را کہ من خودم یکتائی
ہم عشقم و ہم عاشقم و ہم معشوقم — ہم آئینہ ہم جمال ہم بینائی

میں نے کہا یہ زیب و زینت کس کے لئے ہے۔ فرمایا اپنے لئے کیونکہ میں خود یکتا ہوں۔ میں عشق بھی ہوں، عاشق بھی ہوں اور معشوق بھی۔ آئینہ بھی ہوں، حسن و جمال بھی ہوں اور بینائی بھی۔ (یعنی سب کچھ میں ہی ہوں)۔ غالب رحمہ اللہ ؎

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے — حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

لاہور
۲۸ ماہ ستمبر ۱۹۳۸ء

رازی جالندھری